فکر و نظر

حاکم کا 'صادق و امین' ہونا اور شریعتِ اسلامیہ

۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء کو سپریم کورٹ نے پاکستان کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کو اس فیصلہ کی بنا پر اپنے عہدے سے معزول کر دیا کہ وہ آئین پاکستان کی دفعہ ۶۲ کے مطابق صادق اور امین نہیں رہے:

"نواز شریف نے متحدہ عرب امارات میں قائم کمپنی ایف زیڈ ای میں اپنے اثاثوں کو ۲۰۱۳ء میں اپنے کاغذاتِ نامزدگی میں ظاہر نہ کر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور وہ اب پیپلز ایکٹ ۱۹۷۶ء کی سیکشن ۹۹ کی روشنی میں ایماندار نہیں رہے لہٰذا وہ پیپلز ایکٹ ۱۹۷۶ کی سیکشن ۹۹ اور آرٹیکل ۶۲ (اے) کی روشنی میں پارلیمنٹ کے ممبر کے طور نا اہل ہیں۔ الیکشن کمیشن نواز شریف کی نا اہلی کا فوری نوٹیفکیشن جاری کرے۔"[1]

اس کے بعد سے مختلف سیاسی و سماجی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آئین کے اس آرٹیکل ۶۲ کی کونسی ایک اہم ضرورت ہے جس کی بنا پر ایک منتخب وزیر اعظم کو گھر بھیج دیا گیا۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہنے لگے کہ آئین میں ترمیم کر کے اس دفعہ کو حذف کرا یا جائے کیونکہ یہ مستقبل میں بھی کسی بھی حاکم کو معزول کرنے کا اختیار سپریم کورٹ کو دیتی ہے۔ دستورِ پاکستان کے آرٹیکل ۶۲ (۱) کا مستند متن یہ ہے:

"کوئی [مسلم] شخص مجلس شوری (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہو گا، اگر

(د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم Adequate knowledge of Islamic teachings نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند، نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(و) وہ سمجھ دار، پارسا نہ ہو اور فاسق ہو۔ اور ایماندار اور امین Honest and Ameen نہ ہو۔ عدالت نے اس کے برعکس قرار نہ دیا ہو۔"[2]

---

۱ http://www.bbc.com/urdu/pakistan-40753819 مؤرخہ: ۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ اٹھارویں ترمیم ۲۰۱۰ء، نمبر ۱۰ کی دفعہ ۲۰ کی رو سے آرٹیکل ۶۲ کو اس متن سے تبدیل کر دیا گیا۔

سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلے میں آرٹیکل ۶۲ کا اطلاق کرتے ہوئے لکھا کہ

''کاغذات نامزدگی اپنے اثاثوں کا ذکر نہ کرنا غلط بیانی ہے اور عوامی نمائندگی کے قانون کی خلاف ورزی ہے اور اس لیے وہ [وزیر اعظم] 'صادق نہیں'۔

جبکہ جسٹس آصف سعید کھوسہ نے شق باسٹھ تریسٹھ کے بارے میں اپنے نوٹ میں لکھا کہ آئین میں دی گئی اصطلاحات میں 'صادق' اور 'امین' کی تشریح واضح نہیں ہے اور یہ بھی کہ کسی ایک مقدمے کے شواہد اور واقعات پر ان کا کس طرح اطلاق ہو گا۔

بظاہر لگتا ہے کہ ان شقوں کو آئین کا حصہ بناتے ہوئے قرآن سے رہنمائی لی گئی ہے، جہاں انھوں نے لکھا کہ گھریلو ملازم کے لیے 'قوی الامین' اور وسائل کی حفاظت پر مامور کئے جانے والے افراد کے لیے 'حفیظ الامین' کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔... آئین میں ان شرائط کا مطلب یہ یقینی بنانا تھا کہ بہترین صرف اچھے اور نیک مسلمان ہی اسمبلیوں تک پہنچیں اور وہ لوگ ریاست پاکستان میں اللہ کی حاکمیت ایک امانت کے طور پر نافذ کر سکیں۔ جسٹس کھوسہ نے لکھا کہ ان کے مطابق شق باسٹھ کا اطلاق کسی شخص کے ذاتی کردار کے مقابلے میں عوامی کردار تک محدود رکھنا جس سے دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہوں فائدہ مند اور قابل عمل ہے۔''[1]

یہاں بعض لوگوں (بشمول سابقہ وزیر اعظم) کا خیال ہے کہ ''جس شخص کو عوام منتخب کریں، اس کو امین نہ ہونے کے نام پر حکومت سے خارج کرنا عوامی مینڈیٹ کی توہین ہے، اس کا راستہ بند کرنا ہو گا۔'' ان کے موقف کی بنیاد یہ ہے کہ جمہوریت دراصل عوامی حاکمیت کا نام ہے، اور عوام اپنے حکام جس کو چاہیں مرضی منتخب کریں، یہی جمہوریت ہے۔ چاہے تو خواتین کے ساتھ زیادتی اور جعلی یونیورسٹیاں چلانے کے ملزم شخص ڈونلڈ ٹرمپ کو یا مسلمانوں کے قاتل نریندر مودی کو عوام اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز کر دیں۔

اس بات کی وضاحت یوں ہے کہ

① جب تک ان لوگوں کے بارے میں عدالتی فیصلہ نہیں آجاتا، اس وقت تک وہ ملزم ہیں، مجرم نہیں۔ جبکہ پاکستان میں نواز شریف کے خلاف عدالتِ عظمیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے، اور اسی پہلو کو آرٹیکل ۶۲ میں واضح الفاظ میں مشروط کیا گیا ہے، جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

② عوامی حاکمیت کا ایک علم ووٹ سے ہوتا ہے، اور دوسرا دستور سے۔ اور جب دستورِ پاکستان کی اٹھارویں ترمیم (اپریل ۲۰۱۰ء) کے ذریعے عوامی نمائندوں (بشمول وزرائے حکومت) نے صادق و امین اور دیگر شرائط کو

---

1 http://www.bbc.com/urdu/pakistan-40665400 مورخہ ۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء

مزید تفصیلات کے ساتھ متعین کر دیا ہے، تو یہی وہ باضابطہ قانون ہے جو عوامی حاکمیت کا مظہر ہے۔ بالفاظِ دیگر عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں پہنچ کر جو قانون سازی کرتے ہیں، وہی عوام کی حقیقی ترجمانی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ووٹ عوام کی علاقائی نمائندگی کرتا ہے جس کے بعد پارلیمنٹ میں بننے والا قانون انہی عوامی نمائندوں کے ووٹنگ کے نتیجے میں پاس ہو جاتا ہے اور وہی برتر عوامی حاکمیت کا مصداق ہے۔

③ پاکستان میں صرف جمہوریت نہیں ہے بلکہ 'اسلامی جمہوریت' کا نظام ہے۔ جبکہ امریکہ اور بھارت میں ملحدانہ جمہوریت ہے۔ پاکستانی دستور نے متعدد آرٹیکلز کے ذریعے اس امر کو تحفظ دے رکھا ہے کہ یہاں کوئی قانون خلافِ اسلام نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر پارلیمنٹ عوامی حاکمیت کے نام پر فحاشی یا ہم جنس پرستی کے جواز کا قانون بنانا چاہے تو وہ ۲/الف، ۲۲۷، ۲۰۳ اور بہت سی دیگر دفعات اور اپنے عہدے کے حلف کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر نری عوامی حاکمیت کے نام پر عوام پاکستان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی منشا کے خلاف نہیں جاسکتے۔ اور یہی پاکستان کی اہم ترین نظریاتی بنیاد ہے۔

پانامہ کیس کے حالیہ فیصلے اور سابقہ وزیر اعظم نواز شریف کی نااہلی سے قطع نظر، ضرورت اس امر کی ہے کہ جائزہ لیا جائے کہ عہدوں اور امین وامانت کے حوالے سے قرآن وسنت مسلمانانِ پاکستان سے اُصولاً کیا مطالبہ کرتے ہیں، اور شریعتِ اسلامیہ میں امانت کے کیا کیا تقاضے ہیں، اس میں خیانت کا کون کون سا پہلو قابل ذکر ہے؟ اس قانون کی اہمیت اس بنا پر بھی غیر معمولی ہے کہ اس کی روح پر حقیقی طور پر عمل پیرا ہو کر پاکستانی مقننہ میں ایسے اہل حل وعقد پہنچ سکتے ہیں جو شریعت پر عمل پیرا اور اس کا خاطر خواہ علم رکھتے ہوں جو بظاہر سیکولر جمہوریت میں ایک خواب ہی دکھتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات ایک مفصّل استدلال فراہم کرتے ہیں جس میں اہل بصیرت کے لئے بے پناہ عبرتیں اور اسلامی نظام سیاست کی بیش قیمت تفصیلات ہیں:

قرآن وحدیث میں قائدانہ اَوصاف واہلیت

قرآنِ کریم میں مذکور کئی واقعات میں قیادت کے تعین کے بارے میں رہنمائی موجود ہے:

① قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے نبی سیموئل کے ذریعے جب حاکم کا تعین فرمایا تو ارشاد ہوا:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾﴾

''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔'' وہ کہنے لگے: ''بھلا ہم پر حکومت کا حقدار وہ کیسے بن گیا؟ اس سے زیادہ تو ہم خود حکومت کے حقدار ہیں اور اس کے

پاس تو کچھ مال و دولت بھی نہیں۔" نبی نے کہا: "اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے۔ اور علمی اور جسمانی اہلیت اسے تم سے زیادہ دی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی حکومت دے دے، وہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔" (البقرۃ:۲۴۷)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر 'بیان القرآن' میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"بادشاہ ہونے کے لیے اس علم کی ضرورت زیادہ ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں معنی مناسب ہے کہ موافق و مخالف کے قلب میں وقعت و ہیبت پیدا ہو۔"

اس آیت میں علم اور جسم کی برتری کو حکومت ملنے کی وجہ قرار دیا گیا ہے، جبکہ رعایا کے مطالبے: 'مال میں کثرت' کی نفی کی گئی ہے۔

④ سیدنا یوسف علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں حکومت دی، وہ قرآنی مکالمہ یوں ہے:

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾﴾ (یوسف:۵۴،۵۵)

"یوسف کہنے لگے: مجھے زمین کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجئے، میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں اور (یہ کام) جانتا بھی ہوں۔"

مدینہ یونیورسٹی کے نامور استاذِ حدیث شیخ ربیع ہادی مدخلی اس واقعہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس کے بس میں ہے۔ ایسی حالت میں مسلمان کسی بھی غیر مسلم حکومت کا عہدہ اس شرط پر قبول کر سکتا ہے کہ وہ انصاف پر قائم رہے گا۔ اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت نہیں کرے گا۔ اور اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کیا، جب آپ نے ایک کافر بادشاہ کی نیابت کا منصب سنبھالا جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (یوسف:۷۶) "آپ اپنے بھائی (بنیامین) کو بادشاہ کے دین (قانون) کی رو سے روک نہیں سکتے تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔" لیکن آپ کافر نظام حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز رہتے ہوئے بھی رعایا کے مابین انصاف کرتے رہے، اور انہیں توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اس میں ان لوگوں کی زبردست تردید ہے جو عقیدہ توحید کو ہیچ سمجھتے ہوئے شرک اور اہل شرک سے تال میل رکھنے اور پینگیں بڑھانے (عہدے قبول کرنے) کی بات کرتے ہیں۔"[1]

1 دعوت الیٰ اللہ میں انبیاے کرام کا منہج، ترجمہ منهج الأنبياء في الدعوة الى الله: ص ۱۰۴، ناشر: مکتبہ احیاء منہج السلف: ۲۰۱۱ء

اس آیتِ کریمہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے ذمہ دار ہونے پر جو استدلال قائم کیا، وہ حفیظ علیم کا ہے۔ جبکہ عزیز مصر نے ان کی اہلیت کو یوں ذکر کیا کہ آج تو ہمارے نزدیک قدر و منزلت والا اور امانت دار ہے۔ گویا کہ یہاں سے چار اوصاف حاصل ہوئے اور قرآن نے کسی کی تردید نہیں کی۔

③ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب مصر سے نکلنا پڑا اور وہ مدین کی سرزمین میں گئے تو وہاں انہیں شعیب نامی ایک بزرگ شخصیت نے اپنے ہاں ملازمت دی۔ اس موقع کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ہے:

﴿قَالَتْ إِحْدَىٰهُمَا يَٰٓأَبَتِ ٱسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ ٱسْتَـْٔجَرْتَ ٱلْقَوِىُّ ٱلْأَمِينُ ۝٢٦﴾ (القصص:۲۶)

”ان میں سے ایک بولی: اباجان! انہیں آپ اپنا ملازم رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھنا چاہیں، وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔“

اس آیتِ کریمہ میں کسی ذمہ داری کے لئے امین اور قوی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا عبد الرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ ملازمت کے لئے دو باتوں کو دیکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ جس کام کے لئے کوئی شخص ملازم رکھا جارہا ہے، وہ اس کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ بالفاظِ دیگر اس کام کا اسے پہلے سے کچھ علم اور تجربہ ہے؟ اور اگر کوئی محنت والا کام ہے تو کیا اس کی جسمانی حالت اور قوت اتنی ہے کہ وہ اس کام کو بجالا سکے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ دیانتدار اور امین ہو۔ اور یہ دیانت و امانت دین سے بیزار اور خدا فراموش آدمیوں میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اب تعجب کی بات یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نجی یا گھریلو ملازم رکھنا ہو تو وہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھتا ہے تو سرکاری ملازمتوں کے وقت صرف شرطِ اول یعنی اہلیت کو تو ملحوظ رکھا جاتا ہے لیکن دوسری شرط کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ملازم رکھنے والے افسروں میں بھی یہ دوسری شرط مفقود ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رشوت عام ہو جاتی ہے جس کا تعلق ملازمین سے ہی ہوتا ہے۔ لوگوں کے حقوق غصب اور تلف ہوتے ہیں۔ ظالمانہ قسم کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور عوام کے لئے اتنی شکایات اور مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کا حل ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ شرائطِ ملازمت میں سے دوسری شرط دیانت و امانت کو درخور اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا۔“

④ روح القدس سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو اللہ جل جلالہ نے بہت بھاری ذمہ داری دیے رکھی، یعنی انبیاے کرام تک اللہ تعالیٰ کا پیغام رسالت پہنچانا۔ اس اہم ترین ذمہ داری کے لئے ان کا جو وصف قرآن کریم نے ذکر کیا، ملاحظہ فرمائیے:

﴿ إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِى قُوَّةٍ عِندَ ذِى ٱلْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ ﴾

”یہ ایک معزز فرشتے کی بات ہے۔ جو طاقت ور اور عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی منزلت والے ہیں۔ آپ کی اطاعت کی جاتی ہے، وہاں (اس کے پاس وہ) امانت دار بھی ہیں۔“

﴿ وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ ﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۴)

”بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جسے روح الامین لے کر آپ کے دل پر نازل ہوا۔ تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں۔“

سیدنا جبریل علیہ السلام کے لئے 'امین' کا لفظ مالی امانت کی بجائے سراسر اس فرض رسالت کی تکمیل پر بولا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپا تھا۔ ثابت ہوا کہ 'امین' کا مفہوم کافی وسیع تر ہے۔

⑤ سید المرسلین نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو لقب ہی صادق و امین ہے، جب بیت اللہ کی تعمیر نو کے بعد حجر اسود کو رکھنے کا مرحلہ آیا تو بولے: الْأَمِينُ وَكَانُوا يُسَمُّونَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْأَمِينَ فَقَالُوا يَا مُحَمَّدُ قَدْ رَضِينَا بِكَ [1]

”یہ تو امین آئے ہیں اور جاہلیت میں آپ کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ہم آپ پر خوش ہیں۔“

آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے پہلے جب کاروبار کیا، تو پوری امانت داری کا مظاہرہ کیا۔

ایک موقع پر کسی نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً» [2]

”تم مجھے کیوں امین نہیں سمجھتے، حالانکہ اس اللہ نے مجھے امین قرار دیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی خبریں میرے پاس صبح و شام آتی ہے۔“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی لمبی حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ، وَآدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ» [3]

”اسے خوب معلوم ہے کہ میں لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور امانت کو سب سے زیادہ ادا کرنے والا ہوں۔“

توحید و رسالت کی دعوت پر مشرکین مکہ کی شدید ناراضی کے باوجود، کفار قریش آپ کے پاس ہی اپنی

---

۱ مستدرک حاکم: ۱/ ۶۲۸، دار الحرمین، مصر؛ مسند احمد: ۲۴/ ۲۶۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

۲ صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ...: رقم ۴۳۵۱

۳ جامع ترمذی: رقم ۱۲۱۳ وقال: حديث حسن غريب صحيح، سنن نسائی: ۷/ ۲۹۴، البیوع: باب البيع إلى أجل معلوم، وقال محقق «جامع الأصول»: إسناده صحيح. (۱۰/ ۶۶۰)

امانتیں رکھواتے تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کو ہجرت مدینہ پر مجبور ہونا پڑا تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑا تاکہ وہ آپ کی امانتیں اصل مالکوں کو ادا کر کے آئیں۔

نبی کریم ﷺ کا پیغام ہی امانت تھا، جیسا کہ نجاشی کے سامنے پیغام نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حتى بَعَثَ الله إِلَيْنَا رَسُولاً مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الحديث وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِم وَحُسْنِ الْجِوَارِ[1]

"حتیٰ کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول کو مبعوث فرمادیا، جس کے نسب و صداقت اور عفت وامانت کو ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ اس نے ہمیں سچائی، امانتوں کی ادائیگی، صلہ رحمی اور ہمسائے سے حسن سلوک کا درس دیا۔"

اور قیصر روم ہرقل نے اپنے دربار میں ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو جواب دیتے ہوئے کہا:

وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلاَةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ، قَالَ: وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ[2]

"تمہیں وہ نماز، صدقہ، پاک بازی، ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ایک نبی کی یہی صفت ہے۔"

⑥ قرآن کریم میں سیدنا ہود علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿ أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝۶۸ ﴾ (الاعراف:۶۸)

"میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امین خیر خواہ ہوں۔"

یہاں امانت سے مراد اللہ کے پیغام اور رسالت کی کماحقہ تبلیغ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی اسی امانت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور سیدنا نوح نے اپنی دعوت کو ان الفاظ میں پیش کیا:

﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸ ﴾

"جب ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا: اللہ کا تقویٰ کیوں اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہاری طرف امانت دار پیغمبر ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

یہی بات سیدنا ہود اور سیدنا موسیٰ سمیت سب پیغمبروں نے اپنی قوم سے کہی اور یہ جملہ سورۃ الشعراء میں

---

۱ الرحیق المختوم عربی: ۱/۸۴ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام

۲ صحیح البخاري: كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ (بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ النَّاسَ إِلَى الإِسْلاَمِ وَالنُّبُوَّةِ)، رقم ۲۹۴۱

پانچ انبیا کی زبانی آیا ہے: ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴾ (الشعراء:۱۰۷، ۱۲۵، ۱۴۳، ۱۶۲، ۱۷۸)

﴿ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴾ (الدخان:۱۸)

"اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔"

⑦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ الله، مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ؟ قَالَ: «إِنْ تُؤَمِّرُوا أَبَا بَكْرٍ، تَجِدُوهُ أَمِينًا، زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا، رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ، وَإِنْ تُؤَمِّرُوا عُمَرَ تَجِدُوهُ قَوِيًّا أَمِينًا، لَا يَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَإِنْ تُؤَمِّرُوا عَلِيًّا - وَلَا أُرَاكُمْ فَاعِلِينَ - تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا، يَأْخُذُ بِكُمُ الطَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ»[1]

"آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں تو آپ بولے: اگر ابوبکر کو بناؤ گے تو ان کو امین اور دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا متلاشی پاؤ گے۔ اگر عمر کو بناؤ گے تو انہیں امین اور طاقتور پاؤ گے جو اللہ کے دین میں کسی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اگر تم علی کو بناؤ گے اور مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کرو تو انہیں رہنما اور ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستے پر لے جائے گا۔"

⑧ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے سامنے جس عفریت جن نے ملکہ سبا کا تخت لانے کی ذمہ داری کا دعویٰ کیا تو اپنی اہلیت یوں بیان کی:

﴿ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴾ (النمل:۳۹)

"ایک دیو ہیکل جن نے کہا: آپ کے دربار کو برخواست کرنے سے پہلے میں اسے لا سکتا ہوں۔ میں اس کام کی پوری قوت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔"

⑨ نبی کریم جن کو اپنا عامل و گورنر بنا کر بھیجتے، ان کی شان کیا ہوتی؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان سے مروی ہے کہ نبی کریم نے اہل نجران کو فرمایا: «لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ»[2]

"میں تمہارے پاس ایک امانت دار آدمی جو حقیقی امانت دار ہو گا بھیجوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ منتظر رہے (کہ کون اس صفت سے موصوف ہے؟) تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔"

---

۱ مسند احمد: مسند علی بن ابی طالب، رقم ۸۵۹، قال شعیب ارناؤط: اسنادہ ضعیف

۲ صحيح البخاري: كِتَابُ أَخْبَارِ الآحَادِ (بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الوَاحِدِ)، رقم ۷۲۵۴

آپ ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح کو اپنی امّت کا امین (أمين هذه الأمة) کا لقب[1] دیا۔ اور سیدنا عمرؓ نے کہا کہ اگر آج ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر کے بریٔ الذمہ ہو جاتا۔

⑩ نبی کریم کے صحابہ کرام اپنی حکومتوں ومناصب میں پوری طرح امانت دار تھے، چنانچہ جب سیدنا عمر کو مسجد نبوی میں شدید زخمی کر دیا گیا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان کے پاس پہنچے اور ان کو تسلی دی، جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وولّيتَ أمرَ المؤمنين فقويت، وأدّيت الأمانةَ

"آپ مؤمنوں کے حاکم بنے تو وہ طاقتور ہو گئے اور آپ نے امانت کو خوب ادا کیا۔"

جس کا جواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یوں دیا:

وأمّا قولك في أمر المؤمنين، فو الله لوددتُ أنّ ذلك كفافًا لا لِي ولا عَلَيّ...[2]

"جہاں تک آپ کی مسلمانوں کی ذمہ داری پورا کرنے کی بات ہے تو میری تمنا ہے کہ اس میں برابر چھوٹ جاؤں، نہ میرا کوئی حق ہو اور نہ ان کا مجھ پر کوئی حق رہے۔"

⑪ خلفائے راشدین اپنی شوریٰ (اہل الحل والعقد) میں جن لوگوں کو شامل رکھتے، ان کا لازمی وصف کیا تھا؟

وَكَانَتِ الأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَشِيرُونَ الأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ فِي الأُمُورِ المُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا...[3]

"نبی کریم ﷺ کے بعد جتنے امام اور خلیفہ ہوئے، وہ اہل علم میں سے امانت داروں سے جائز کاموں میں مشورہ لیا کرتے تاکہ آسان تر حل کو اختیار کریں..."

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے علم ہوا کہ عہدہ یا ذمہ داری کی شرعی صفات حسبِ ذیل ہیں:

امین	جیسا کہ نبی کریم، جبریل، سیدنا موسیٰ، یوسف وجملہ انبیا وخلفا کے لئے ذکر ہوا۔
صادق	جیسا کہ کوہ صفا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صادق ہونے کا حوالہ دیا، اور سیدنا اسماعیل اور سیدنا یوسف کو قرآنِ مجید نے صادق قرار دیا۔[4] بہت سے انبیا صدیق کہلائے۔
حفیظ	جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں آیا۔
علم	جیسا کہ سیدنا یوسف اور بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔

---

1 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي (بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ)، رقم ۴۳۸۲

2 مسند احمد: ۱/۴۷...وقال أحمد شاكر: إسناده صحيح، وأصل الحديث في البخاري. (۱/۲۹۵)

3 صحيح البخاري: كِتَابُ الاعْتِصَامِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (بَابُ قَوْلِ الله: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ)

4 «...أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟» صحیح بخاری: رقم ۴۹۷۱... سورۃ یوسف: ۵۱، ۲۷ اور سورہ مریم: ۵۴

طاقتور (قوی) جیسا کہ سیدنا جبریل اور سیدنا موسیٰ کے بارے میں ذکر ہوا۔

جسم جیسا کہ بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔

مَکِین (وجاہت) جیسا کہ سیدنا یوسف اور جبریل امین کے بارے میں پتہ چلا۔

دوسری اور تیسری صفت صادق اور حفیظ اَمین کے قریب المعنی ہیں، کیونکہ امانت سے مراد زبان وبیان کی صداقت اور امانات کی حفاظت بھی ہے۔ جبکہ قوّت کے تحت پانچویں اور چھٹی صفت جسم اور علم بھی آسکتی ہیں اور اَہلیّت یا اَصلحیّت کا لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جس میں مناسبت کے لحاظ سے ہر وصف شامل ہے۔ ان تمام منصبی صفات کے شرعی تقاضے کیا ہیں؟... راقم نے ایک مستقل مضمون میں ان کو بیان کر دیا ہے۔

'امین وامانت' کا شرعی وسیاسی مفہوم

مذکورہ بالا صفات میں اصل صفت 'امین' کی ہے اور یہ ہر قسم کی ذمہ داری، عہدے اور منصب کا اصل الاصول ہے۔ قرآنِ کریم کی آیۃ الأمراء میں ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾ (النساء:۵۸)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں، انہیں یہ امانتیں ادا کر دو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قرآن نے لفظ 'امانات' بصیغہ جمع استعمال فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے، بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں۔ آیت کے نزول کا جو واقعہ [بیت اللہ کی کنجی والا] ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا، بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی۔

حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے [بالخصوص] امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے: پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجود لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد: ص ۵۲۳)"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ»[1]

"اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔"

امانت کا ایک مفہوم تو عام معروف ہے: هي كلُّ حقٍّ لزمك أداؤه وحفظه[2]. یعنی "ہر ایسا حق جس کو ادا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔" لیکن قرآن کریم اس کو وسیع تر معانی میں استعمال کرتا ہے جس میں دینی و شرعی امانت، منصبی امانت اور مالی امانت سب شامل ہیں۔ چنانچہ امانت کی شرعی تعریف یہ ہے:

كلُّ ما افترض على العباد فهو أمانة، كصلاة وزكاة وصيام وأداء دين، وأوكدها الودائع وأوكد الودائع كتم الأسرار[3]

"ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہے، وہ امانت ہے جیسے نماز، روزہ، زکاۃ اور قرض وغیرہ کی ادائیگی۔ اور اس میں اہم ترین امانت میں رکھی گئی چیزوں کی ادائیگی ہے اور سب سے بڑی امانت رازوں کی حفاظت ہے۔"

مفسر قرآن امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«الأمانة تعمّ جميع وظائف الدّين، ونسب هذا القول لجمهور المفسّرين، فالأمانة هي الفرائض الّتي ائتمن الله عليها العباد، واختلف في تفاصيل بعضها على أقوال: فقيل هي أمانات الأموال كالودائع وغيرها وقيل: في كلّ الفرائض، وأشدّها أمانة المال... وقيل: هذه الأمانة هي ما أودعه الله تعالى في السّموات

---

۱ مسند احمد: رقم ۱۲۳۸۳، قال شعیب ارناؤط: حدیث حسن

۲ فیض القدیر از مناوی: ۱/۲۸۸

۳ الكليات لقاضی أبو البقاء الكفوي ۱۰۹۴ھ، (۱۸۶،۱۷۶) بحوالہ موسوعة نضرة النعيم... زیر الأمانة

والأرض والجبال والخلق من الدّلائل على ربوبيّته أن يظهروها فأظهروها إلّا الإنسان فإنّه كتمها وجحدها، والمراد بالإنسان على ذلك هو الكافر والمنافق.[1]

''امانت دین کے تمام امور کو شامل ہے۔ اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔ امانت وہ فرائض ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو محافظ بنایا ہے۔ تاہم امانت کی جزئیات میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں، کہا کہ اس سے مراد امانت شدہ اموال اور سامان وغیرہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ تمام فرائض دینیہ ہیں جن میں مالی امانت اہم ترین ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ امانت یہ بھی ہے کہ عورت اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔ بعض نے کہا کہ غسل جنابت امانت ہے۔ کہا گیا کہ نماز امانت ہے (اگر چاہے تو کہہ دے کہ میں نے پڑھی ہے اور چاہے تو کہے کہ نہیں پڑھی)۔ اسی طرح روزے، غسل جنابت اور زنانہ شرمگاہ امانت ہے۔ کان، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ اور ٹانگیں بھی (اللہ کی طرف سے) امانت ہیں۔ نبی کریم کا فرمان ہے کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور کہا گیا کہ یہ وہی امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین، پہاڑ اور جملہ مخلوقات کو سونپی کہ ان پر اپنی ربوبیت کے دلائل پیش کر کے انہیں ان کو اپنے اوپر ظاہر کرنے کا پابند کیا تو ان سب نے اپنی ذمہ داری قبول کر کے اس ربوبیت کو ظاہر کیا اور انسان نے اس کو چھپایا اور انکار کیا۔ ایسا کرنے والا انسان کافر و منافق ہے۔''

امین و امانت شریعتِ اسلامیہ کی اہم اصطلاح ہے۔ اور اس کے مفاہیم کو واضح کرنے کے لئے اس کو تین بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں سے پہلی دراصل جامع قسم ہے اور باقی دو اقسام کو مزید وضاحت کے لئے علیحدہ سے قسم کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

پہلی قسم: امانتِ شرعیہ

① عوام کے لئے امانت سے مراد دراصل وہ سب سے بڑی امانت ہے، جو اللہ نے بنی نوع انسانیت کو دی، اور وہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴾ (الاحزاب:۷۲)

''ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ یقیناوہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

---

[1] تفسیر القرطبي: ۱۴/ ۲۵۳-۲۵۸

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اس امانت کی لمبی تفصیلات بیان کی ہیں:

''ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے روبرو اپنے احکام اور بصورت ماننے کے اس پر انعام و اکرام اور بصورت نہ ماننے کے اس پر تعذیب و آلام پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا۔ اور حاصل اس پیش کرنے کا یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے موافق عمل کرنے کی صورت میں تم کو ثواب ملے گا اور خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہو گا اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہ بنائے جاؤ گے، اور ثواب و عذاب کے بھی مستحق نہ ہو گے، تم کو دونوں اختیار ہیں کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان نہ ہو گے جس قدر ان کو شعور تھا، وہ اجمالاً اس قدر مضمون سمجھ لینے کے لئے کافی تھا، چونکہ ان کو اختیار بھی دیا گیا تھا)۔ سو انہوں نے (خوف و عذاب کے سبب احتمالِ ثواب سے بھی دست برداری کی اور) اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس (کی ذمہ داری) سے ڈر گئے (کہ خدا جانے کیا انجام ہو، اور اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو مثل انسان کے ان کو بھی عقل عطا کی جاتی، جو تفصیل احکام و مثوبات و عقوبات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ اس کو نہیں منظور کیا، اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ غرض انہوں نے تو عذر کر دیا) اور (جب ان سموات و ارض و جبال کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات پوچھی گئی تو) انسان نے (بوجہ اس کے کہ علم الٰہی میں اس کا خلیفہ ہونا مقرر تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا (غالباً اس وقت تک اس میں بھی اتنا ہی ضرورت کے قدر شعور ہو گا اور غالباً یہ پیش کرنا 'اخذِ میثاق' [عہدِ اَلست] سے مقدم ہے، اور وہ میثاق اسی حمل امانت کی فرع ہے، اور اس میثاق کے وقت اس میں عقل عطا کی گئی ہو گی، اور یہ کسی خاص انسان سے مثل آدم علیہ السلام کے نہیں پوچھا گیا، بلکہ مثل اخذ میثاق کے یہ عرض بھی عام ہو گا اور التزام بھی عام تھا۔ پس سموات و ارض جبال مکلف نہ ہوئے اور یہ مکلف بنا دیا گیا۔''

④ امین یعنی 'امانت' سے مراد دراصل اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ ہے، اور وہی شخص اصل امین ہے، جو سب سے بڑی امانت اور دنیا میں آنے کے مقصد سے آگاہ ہے۔ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے یعنی اللہ کی اطاعت کو قبول کرنے کا حلف اٹھانا۔ مفسر قرآن حافظ نیسابوری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الأمانة هي الطّاعة وهي التّكليف، ثمّ ذكر أنّ التّكليف هو الأمر بخلاف ما في الطّبيعة، وهذا النّوع ليس في السّموات والأرض والجبال، لأنّ السّموات لا يطلب منها الهبوط، والأرض لا يطلب منها الصّعود ولا الحركة، والجبال لا يطلب منها السّير، وكذا الملائكة مهتمّون بالتّسبيح والتّقديس، (وإنّما في الإنسان

وحده) ، وسمّي التّكليف أمانة لأنّ من قصّر فيه فعليه الغرامة ومن أدّاه فله الكرامة، وعرض الأمانة بهذا المعنى على هذه الأجرام وإباؤها من حملها هو لعدم صلوحها لهذا الأمر وقد خصّ بعضهم التّكليف بقول: «لا إله إلّا الله عزّ وجلّ»[1]

''امانت سے مراد اطاعت اور مکلف ہونا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ تکلیف سے مراد ہے کہ کسی کو اس کی طبیعت کے مخالف چیز کا پابند بنایا جائے۔ اور یہ چیز آسمان وزمین اور پہاڑوں میں نہیں ہے کیونکہ آسمانوں سے گرنے کا مطالبہ نہیں، زمین سے بلند ہونے اور ہلتے رہنے کا تقاضا نہیں اور پہاڑوں پر چلنے کی ذمہ داری نہیں۔ ایسے ہی فرشتے صرف تسبیح وتقدیس میں ہی لگے رہتے ہیں۔ یہ مکلف بنانا صرف انسان کے لئے ہے۔ اوراس مکلف بنانے کو امانت اس لئے قرار دیا گیا، کہ جو اس میں کوتاہی کرے گا، اس پر سزا ہے۔ اور جو ادا کرے گا تو اس کے لئے عزت افزائی ہے۔ سو اس مفہوم کے ساتھ امانت کو اجرام فلکی پر پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کو لینے سے انکار کیا کیونکہ وہ اس امانت کو اٹھانے سے قاصر ہیں۔ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ مکلف بنانے سے مراد انسان کا کلمہ طیبہ کا اقرار کرلینا یعنی اسلام قبول کرلینا ہے۔''

حافظ نیسابوری کا موقف کہ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے، پوری وضاحت کرتا ہے کہ اس امانت کا امین شخص وہی ہے جو کلمہ طیبہ کا معترف ہے، باقی لوگ امین نہیں۔ نوع انسانی کا 'حمل امانت' اجمالاً اخذ ِمیثاق سے قبل تھا، اور تفصیلاً مسلمانوں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اس اقرار کی تصدیق کی۔ تاہم اُن کی یہ رائے کہ انسان کے علاوہ باقی اشیا: ارض وسماوغیرہ اس امانت کو اٹھانے سے اصلاً قاصر تھے، محل نظر ہے۔ کیونکہ پھر اللہ کا اس امانت کو ان پر پیش کرنا بے معنی مکالمہ ٹھہرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بالاتر ہے۔ اور انسان کے لئے ظَلُومًا جَهُولًا اس لئے ہے کہ انسانوں میں بھی اس امانت کو اٹھانے کی اہلیت موجود ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو قرآن نے مثالی ایمان اور اہل اسلام کے لئے سنتِ مطلوبہ قرار دیا ہے لیکن ظلم وجہالت کی بنا پر انسان اس امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اسی بنا پر اس کے لئے روزِ قیامت جزاوسزا ہے۔

③ اور دوسری آیت میں قرآن کریم کو اس 'امانت' کا مصداق بتایا گیا کہ

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱﴾ (الحشر:۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جارہا ہے اور پھٹا

---

1 تفسیر النیسابوري (بهامش الطبري):۱۰/۳۴،۳۵، حاشیہ ۲۲

پڑتا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور وفکر کریں۔"

اور کلمہ طیبہ یا قرآن کریم، دونوں کا مصداق ایک ہی ہے، یعنی شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنا اور یہی اصل شرفِ انسانیت ہے، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر انسان کو فضیلت دے کر دنیا میں بھیجا کہ انسانوں میں بعض لوگ اللہ کی امانت کو قبول کرتے ہوئے، ہر نظامِ حیوۃ میں اس کی بندگی کریں گے۔ جیسا کہ اس امانت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ما قيل في الآية الكريمة من الأقوال العديدة لا تنافي بينها، بل هي متّفقة وراجعة إلى أنّها التّكليف وقبول الأوامر والنّواهي بشرطها، وهو أنّه إن قام بذلك أثيب، وإن تركها عوقب.[1]

"اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں منقول متعدد اقوال ایک دوسرے کے منافی نہیں بلکہ سب ہی اس پر متفق اور مرکوز ہیں کہ اس سے مراد انسان کو اوامر ونواہی کا یوں مکلف بنانا ہے کہ اگر انسان ان کو پورا کرے تو اس کو ثواب ملے گا، ورنہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔"

الغرض امانت کی تفسیر شرعی اوامر ونواہی کی پابندی قبول کرنا ہے، اور یہی موقف حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ، حسن بصری، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم، ابن زید اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔[2]

دوسری قسم: منصبی امانت

④ خواص کے لئے امانت کا مفہوم: عہدے اور مناصب کی امانت ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جسے سیدنا ابوذرؓ نے روایت کیا ہے:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ الله، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»[3]

"میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "ابوذر! تم کمزور ہو، اور یہ (امارت) امانت ہے اور قیامت کے دن یہ شرمندگی اور

۱ تفسیر ابن کثیر: ۵۳۰/۳

۲ ویب سائٹ 'الاسلام سؤال وجواب': رقم ۱۴۵۷۴۱

۳ صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ (بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ)، رقم ۴۷۱۹

رسوائی کا باعث ہو گی، مگر وہ شخص جس نے اسے حق کے مطابق قبول کیا اور اس میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوئی تھی اسے (اچھی طرح) ادا کیا۔ (وہ شرمندگی اور رسوائی سے مستثنیٰ ہو گا)''

⑤ ہر انسان کو دی جانے والی زندگی بھی اللہ کی امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اسے اخذِ میثاق [عہدِ الست[1] کے بعد (کہ وہی ہمارا ربّ ہے/ توحید ربوبیت) اس عہد کی تکمیل کے لئے دی کہ وہ اپنی زندگی میں اس عہد کو پورا کر کے دکھائے۔ اور ہر انسان ہی اسلام میں مسئول و ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فرمانِ نبوی ہے جسے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[2]

''تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ پس لوگوں کا حقیقی امیر ایک حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (دوسرا) ہر آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (تیسرا) عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (چوتھا) غلام اپنے آقا (سید) کے مال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ پس جان لو کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ ہو گی۔''

چنانچہ یہ امانت اور ذمہ داری ہر مسلمان کی اپنی ذات اور اپنے گھر پر ہے، بیوی کی اپنے شوہر کے گھر اور اولاد پر ہے، اور حاکم کی اپنی رعایا پر ہے، خادم کی اپنے مالک کے مال پر ہے۔ اور قیامت کے دن ہر امین و مسئول سے اس کی امانت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

1 ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''اور جب آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود اپنے اوپر گواہ بنا کر پوچھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟" وہ (ارواح) کہنے لگیں: "کیوں نہیں! ہم یہ شہادت دیتے ہیں" (اور یہ اس لیے کیا) کہ قیامت کے دن تم نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بالکل بے خبر تھے۔''

2 صحيح البخاري: كِتَابُ العِتْقِ (بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ)، رقم ۲۵۵۴

⑥ یاد رہے کہ عہدے ومناصب دینے والی ذات اللہ عزوجل کی ہے، جیسا کہ واقعہ طالوت والی پہلی آیت میں آیا کہ ”اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنی بادشاہت سے عطا کرتا ہے۔“ اور اس آیت میں ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:۲۶)

”آپ کہیے: اے اللہ! بادشاہت کے مالک! جسے تو چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔“

اور اس آیت میں ہے: ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (الاعراف:۱۲۸)

”یہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنادے۔“

یہ زمین اللہ کی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے، اپنے بندوں پر حکومت عطا کرتا ہے۔ اس بنا پر ہر مسلمان حاکم امین ہے اور اللہ نے مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ اس کو اپنی مسلم رعایا کی ذمہ داری سونپی ہے۔ جس کو جو منصب سونپا جائے، وہ اس کو بخوبی پورا کرے تو یہ منصبی امانت دار ہے، جیسا کہ سیدنا جبریل کو وحی کی ذمہ داری سونپی گئی تو وہ رسولِ امین ہوئے، نبی کریم کو رسالت کا فرض سونپا گیا تو آپ نے شکوہ کیا کہ ”آسمان والا تو مجھے امین مانتا ہے، اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔“ یعنی میں عظیم منصب امانت پر قائم ہوں، تو کہاں یہ چھوٹی سی مالی امانت میں کوتاہی ممکن ہے۔ اس بنا پر امانت میں منصب کے تقاضے پورے کرنا بھی شامل ہے حدیث میں ہے:

دَخَلَ أَبُو مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ عَلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أبي سفيان، فقال: السلام عليكم أَيُّهَا الْأَجِيرُ؛ فَقَالُوا: قُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الأمير. فقال السلام عليك أيها الْأَجِيرُ. فَقَالُوا: قُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ. فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ. فَقَالُوا قُلْ السلام عليك أَيُّهَا الْأَمِيرُ. فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ. فَقَالَ مُعَاوِيَةُ. دَعُوا أَبَا مُسْلِمٍ فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُ، فَقَالَ إِنَّمَا أَنْتَ أَجِيرٌ اسْتَأْجَرَكَ رَبُّ هَذِهِ الْغَنَمِ لِرِعَايَتِهَا؛ فَإِنْ أَنْتَ هَنَأْتَ جَرْبَاهَا، وَدَاوَيْتَ مَرْضَاهَا، وَحَبَسْتَ أُولَاهَا عَلَى أُخْرَاهَا: وَفَّاكَ سَيِّدُهَا أَجْرَكَ، وَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَهْنَأْ جَرْبَاهَا وَلَمْ تُدَاوِ مَرْضَاهَا؛ وَلَمْ تَحْبِسْ أُولَاهَا على أخراها عاقبك سيدها.[1]

”ایک دن سیدنا ابو مسلم خولانی سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: السلام عليك أيها الأجير! (اجرت پر کام کرنے والے! آپ پر سلامتی ہو) لوگوں نے کہا: ایہا الامیر

[1] حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۲۵، سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۳ مختصراً، تاریخ دمشق از ابن عساکر: ۲۷/۲۲۳... بحوالہ السیاسۃ الشرعیہ: ۳۶

کہیے۔ تو انہوں نے پھر السلام عليك أيها الأجير! کہا، لوگوں نے پھر کہا: ایہا الامیر کہیے تو تیسری بار انہوں نے وہی جملہ دہرایا: السلام عليك أيها الأجير! آخر سیدنا معاویہ نے کہا: ابو مسلم کو اپنی بات کہنے دو، وہ اسے ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد ابو مسلم بولے: اے معاویہ! تم اجیر (اجرت پر کام کرنے والے ملازم) ہو۔ ان بکریوں کے ریوڑ کے لئے تم کو ان بکریوں کے رب نے اجرت پر رکھا ہے، اگر تم خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری کرو گے اور مریض بکریوں کی دوا کرو گے اور ان بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کرو گے، تو بکریوں کا مالک تمہیں پوری اجرت دے گا۔ اور اگر تم نے خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری نہ کی، مریض بکریوں کی دوا نہ کی، ان کی اچھی حفاظت نہ کی تو بکریوں کا مالک تم کو سزا دے گا۔"

جب یہ مناصب سراسر امانت ہیں تو اس میں خیانت کرنے والے کی سزا روزِ قیامت جنت سے محرومی ہے:

وَقَالَ ﷺ: «لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»[1]

"اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی رعیت کا نگران بناتا ہے اور موت کے دن وہ اس حالت میں مرتا ہے کہ رعیت کے حقوق میں دھوکے بازی کرنے والا ہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔"

⑦ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فإن الخلق عباد الله، والولاة نُوَّابُ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ، وَهُمْ وُكَلَاءُ الْعِبَادِ على نفوسهم؛ بِمَنْزِلَةِ أَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ مَعَ الْآخَرِ؛ فَفِيهِمْ مَعْنَى الْوِلَايَةِ وَالْوَكَالَةِ[2]

"اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے ہیں، اور مسلم حکام اللہ کے بندوں پر اللہ کے نائب[3] ہیں۔ اور وہ بندوں پر ان کی جانوں کے ذمہ دار[4] ہیں۔ جیسا کہ دو شریک ایک دوسرے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ سو ان میں ولایت یعنی حکومت اور وکالت یعنی تفویض بیک وقت پائی جاتی ہے۔"

اس عبارت کی شرح میں شیخ ابن عثیمین منصبِ حکومت کی امانت کی وضاحت کرتے ہیں:

---

1 صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانِ (بَابُ اسْتِحْقَاقِ الْوَالِي الْغَاشِّ لِرَعِيَّتِهِ النَّارَ)، رقم ۳۶۴

2 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص ۳۷

3 یہاں نیابتِ الٰہیہ کی اضافت تشریفی ہے جس کے لئے زیادہ موزوں تعبیر 'اللہ کے نمائندے' کی ہے، جیسا کہ اسلام میں عوام کی طرف سے بھی حکام کی نمائندہ حیثیت کا تصور ہے جن کو وہ علاقائی کی بجائے ملی طور پر اپنا نمائندہ بناتے ہیں۔

4 وکیل: من يفوض إليه أمر شخص قاصر "جس کو کسی قاصر شخص کے کام کی ذمہ داری تفویض کی جائے۔"

بيّن المؤلف أن الأمراء والحكام نواب الله على عباده يعني أن الله استنابهم على العباد ليقيموا شريعة الله فيهم والخليفة والحاكم وكيل الناس على أنفسهم يقيمهم ويهذب أخلاقهم ويسيرهم على شريعة الله... وهم من وجه آخر وكلاء للعباد على نفوس العباد يعني أن الشعب وكّل هؤلاء الحكام على نفوسهم كأنه يقول: كونوا لنا حكامًا لتقيمونا وتعدّلونا على شريعة الله[1]

"ابن تیمیہ نے واضح کیا ہے کہ امراء وحکام اللہ کے بندوں پر اس کے نائب ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو بندوں پر اس لئے نائب بنایا ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کو ان میں قائم کر دیں۔ اور خلیفہ وحاکم لوگوں کی جانوں پر ان کے وکیل بھی ہیں، کہ (مسلمانوں نے حکام کو یہ ذمہ دار سونپی ہے کہ) ان کے اخلاق درست کریں اور ان کو اللہ کی شریعت پر چلائیں۔ اس دوسرے پہلو سے بندوں کی جانوں پر بندوں کے وکیل ہوئے کہ عوام نے ان حکام کو اپنی جانوں کی یہ ذمہ داری سونپی ہے گویا یہ کہا ہے کہ تم ہمارے حاکم بنو، تاکہ ہمیں سیدھا رکھو اور اللہ کی شریعت کے مطابق ہم میں عدل قائم کرو۔"

⑧ مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر امانت ہی مناصب کی ذمہ داری میں سب سے بنیادی وصف ہے، اور اس وصف کا اعتبار دنیوی امانت سے بڑھ کر، اللہ کی امانت کی تکمیل، اللہ کے احکام پر خود چلنا اور حاکم کا اپنے ماتحتوں کو اس پر چلانا ہے۔ جو مسلمان شخص اللہ کے احکام کا امین نہیں، امانتِ کبریٰ میں کوتاہی کرنے والا ہے، وہ لوگوں کے حقوق میں بھی کوتاہی کرنے والا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی سیاست کی رو سے وہی شخص لوگوں کا نمائندہ بن سکتا ہے، جو سب سے پہلے خود اللہ کی امانت کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اللہ کی امانت کا سب سے بڑا اظہار نماز کی پابندی خود کرنا اور لوگوں سے کروانا ہے۔ اور جب کوئی حاکم اس امانت کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کا حق کھو بیٹھتا[2] ہے۔

اسلام میں سیاست یعنی عہدے اور اقتدار بھی خدمت اور فروغِ دین کے لئے ہے، اسی لئے سیاسی حکمران

---

1 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص ٣٧

2 «سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ» قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: «لَا، مَا صَلَّوْا» (صحیح مسلم: ۴۸۰۰) "جلد ہی ایسے حکمران ہوں گے کہ تم انہیں (کچھ کاموں میں) صحیح اور (کچھ میں) غلط پاؤ گے۔ جس نے (ان کی رہنمائی میں) نیک کام کیے وہ بری ٹھہرا اور جس نے (ان کے غلط کاموں سے) انکار کر دیا وہ بچ گیا لیکن جو ہر کام پر راضی ہوا اور پیروی کی (وہ بری ہوا، نہ بچ سکا۔)" صحابہ نے عرض کی: کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں (جنگ نہ کرو)۔"

اور نماز کے قائد دونوں کو 'امام' ہی کہتے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے اپنے عمال وحکام کے لئے نماز کی امامت لازمی کر رکھی تھی اور یہی کام خلفائے راشدین کرتے تھے۔ جیسا کہ

i. سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب نماز کا امام مقرر کیا گیا تو صحابہ کرام نے ان کو مسلمانوں کی سیاست کا امام (خلیفہ) بنالیا۔

ii. نبی کریم اپنے عمال وحکام کو نماز سے آغاز کرنے کی تلقین فرمایا کرتے:

بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: «يَا مُعَاذُ! إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكَ عِنْدِي الصَّلَاةُ»[1]

"جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ کو (یمن میں عامل بنا کر) بھیجا تو فرمایا کہ اے معاذ! میرے نزدیک تمہاری سب سے اہم شے نماز ہے۔"

iii. سیدنا عمر فاروق نے اپنے عمال کو حکم نامہ بھیجا:

إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ. وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ[2]

"میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز پڑھنا ہے۔ جو اس کی خود حفاظت کرے اور دوسروں سے حفاظت کرائے تو اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی۔ اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو اس کے ماسوا امور کو وہ زیادہ ضائع کرنے والا۔"

iv. امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَكَذَلِكَ إِذَا اسْتَعْمَلَ رَجُلًا نَائِبًا عَلَى مَدِينَةٍ، كما استعمل عتاب ابن أَسِيدٍ عَلَى مَكَّةَ، وَعُثْمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ عَلَى الطَّائِفِ، وَعَلِيًّا وَمُعَاذًا وَأَبَا مُوسَى عَلَى الْيَمَنِ، وعمرو بْنَ حَزْمٍ عَلَى نَجْرَانَ: كَانَ نَائِبُهُ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمْ، وَيُقِيمُ فِيهِمْ الْحُدُودَ وَغَيْرَهَا مِمَّا يَفْعَلُهُ أَمِيرُ الْحَرْبِ، وَكَذَلِكَ خُلَفَاؤُهُ بَعْدَهُ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْمُلُوكِ الْأُمَوِيِّينَ وَبَعْضِ الْعَبَّاسِيِّينَ.[3]

"نبی کریم جب بھی کسی صحابی کو مدینہ پر نائب بناتے، جیسا کہ عتاب بن اسید کو مکہ پر، عثمان بن ابو العاص کو طائف پر، علی، معاذ، ابو موسیٰ کو یمن اور عمرو بن حزم کو نجران پر عامل بنا کر بھیجا، تو آپ کا

---

1 السياسة الشرعية لابن تيمية ٦٣: ١/٧/٣، فتاویٰ ابن تیمیہ: ٢٦١/٢٨

2 موطا امام مالک، سنن بیہقی، مصنف عبد الرزاق: ٢٠٣٨... حافظ ابن عبد البر نے اس کو 'موصول' ذکر کیا ہے۔

3 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص ٦٣

نائب / عامل ہی ان کی امامت کراتا اور ان میں حدود اور وہ ذمہ داریاں پوری کرتا جو عسکری قیادت سرانجام دیتی ہے۔ یہی آپ کے بعد آپکے خلفا، اموی بادشاہوں کا اور بعض عباسی حکام کا طریقہ تھا۔''

برصغیر کے عالم ربانی اور عظیم مجاہد شاہ اسماعیل شہید (ش:۱۸۳۱ء) 'امام' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''لفظ امام سے مراد مطلق امام نہیں، بلکہ وہ امام جس کا تعلق سیاست سے ہو... امام سے مراد صاحبِ دعوت ہے جس نے جہاد کا جھنڈا اعدائے دین پر بلند کیا اور تمام مسلمانوں کو اس معرکے میں بلایا، اور شرعِ مبین کی اعانت پر کمر باندھی، سیاستِ دین کی مسند پر بیٹھا۔ سوائے ملت کے مذہب کے، دوسرا مذہب نہ پکڑا، اور طریقہ سنت کے سوا دوسرا طریقہ اختیار نہ کیا۔ عدالت وسیاست میں آئین نبوی کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہ بنایا۔ قوانین مصطفوی کے سوا کوئی دوسرا قانون نہ چھانٹا۔''[1]

آپ اپنی عظیم کتاب 'منصب امامت' میں حاکم / امام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو کوئی مذکورہ کمالات میں کسی کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہو، وہی امام ہے... بعض کاملین کو انبیا کے ساتھ ایک کمال میں مشابہت ہوتی ہے اور بعض کو دو کمال میں اور بعض کو تین میں۔ اسی طرح بعض کو تمام کمالات میں مشابہت ہوتی ہے۔ پس امامت بھی مختلف مراتب پر ہو گی۔ کیونکہ بعض کے مراتب، امامت میں دوسروں سے اکمل ہوں گے۔''[2]

پھر ان احادیث سے شاہ صاحب نے استدلال کیا جس میں نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد بالفرض نبی ہونے میں سیدنا عمر کا تذکرہ کیا، اور سیدنا علی کو سیدنا ہارون کے مشابہ (ماسوا ختم نبوت) قرار دیا۔

⑨ منصبی امانت کا تقاضا: حاکم کا یہ بھی منصبی فرض ہے کہ اپنے نائب ان کو مقرر کرے، جو معاشرے اور حکومت کو شرعی مقاصد کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر وہ اپنی پسند ناپسند یا اپنی تائید، یا خاندانی قوت کے فروغ، یا مال کو جمع کرنے کی غرض سے کسی کو حاکم مقرر کرے گا تو یہ بھی امانت کی خلاف ورزی ہے اور خیانت کے مترادف ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَلِهَذَا لَمَّا غَلَبَ عَلَى أَكْثَرِ الْمُلُوكِ قَصْدُ الدُّنْيَا، دُونَ الدِّينِ؛ قَدَّمُوا فِي وِلَايَتِهِمْ مَنْ يُعِينُهُمْ عَلَى تِلْكَ الْمَقَاصِدِ، وَكَانَ مَنْ يَطْلُبُ رِئَاسَةَ نَفْسِهِ، يُؤْثِرُ تَقْدِيمَ مَنْ يُقِيمُ رِئَاسَتَهُ.[3]

''جب دنیا کے اکثر حکام پر دنیوی مقاصد غالب آ گئے، دین کو نظر انداز کرتے ہوئے، تو اُنہوں نے

---

۱ 'منصبِ امامت' از شاہ اسمٰعیل شہید: ص ۱۷۸، ناشر: حنیف اینڈ سنز، ۲۰۰۸ء

۲ 'منصبِ امامت' از شاہ اسمٰعیل شہید: ص ۸۶

۳ السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص ۶۳

اپنی حکومتوں میں ایسے لوگوں کو عہدے دیے جو ان کے دنیوی مقاصد میں ان کی تائید کر سکتے۔ اور ہر وہ شخص جو اپنی چودھراہٹ چاہتا ہے، اسی کو آگے کرتا ہے جو اسکی حکومت وریاست کو تحفظ دے۔"

منصبی امانت کو پورا کرنے والا شخص کونسا ہے؟... امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَإِذَا كَانَ التَّقْدِيمُ بِأَمْرِ اللهِ إِذَا ظَهَرَ، وَبِفِعْلِهِ -وَهُوَ مَا يُرَجِّحُهُ بِالْقُرْعَةِ إِذَا خَفِيَ الْأَمْرُ- كَانَ الْمُتَوَلِّي قَدْ أَدَّى الْأَمَانَاتِ فِي الْوِلَايَاتِ إِلَى أَهْلِهَا.[1]

"جب کوئی حاکم اللہ کے حکم کے مطابق منصب دے گا، جبکہ صورتحال بالکل واضح ہو یا اپنے عمل سے اس کو عہدہ دے گا، جب مخفی ہونے کی صورت میں قرعہ کے ذریعے ترجیح دے، تو یہی وہ حاکم ہے جس نے امانت کو مناصب دینے میں اس کے حقیقی اہل کے سپرد کر دیا۔"

اور جس حاکم نے یہ مناصب اہل افراد کے سپرد نہ کئے تو

ثُمَّ الْوَلِيُّ وَالْوَكِيلُ مَتَى اسْتَنَابَ فِي أُمُورِهِ رَجُلًا، وَتَرَكَ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ للتجارة أو العقار مِنْهُ، وَبَاعَ السِّلْعَةَ بِثَمَنٍ، وَهُوَ يَجِدُ مَنْ يَشْتَرِيهَا بِخَيْرٍ مِنْ ذَلِكَ الثَّمَنِ؛ فَقَدْ خَانَ صَاحِبَهُ، لَا سِيَّمَا إِنْ كَانَ بَيْنَ مَنْ حاباه وبينه مودة أو قرابة، فإن صاحبه يبغضه ويذمه، ويرى أنه قد خانه وداهن قريبه أو صديقه.

"جب حاکم اور وکیل، دونوں اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے ایسے شخص کو اپنا نائب بنالیں، اور تجارت وسامان کے لئے اصلح کو نظر انداز کر دیں۔ سودے کو ایسی قیمت پر فروخت کریں جبکہ اس قیمت سے اچھی قیمت مل سکتی تھی، تو تب اس والی اور وکیل نے اپنے ساتھی سے خیانت کی۔ بلاشبہ اگر دونوں کے مابین محبت ومودّت یا قرابتداری تھی، تب بھی اس کا ساتھی اس سے ناراض ہو کر اس کو برا ہی کہے گا اور یہ سمجھے گا کہ اس نے خیانت کی، اور اپنے قریبی یا دوست سے دھوکہ کیا ہے۔"

⑩ منصبی ذمہ داری کا مقصد: چونکہ حکومت اور منصب سمیت دنیا کی ہر نعمت اللہ ہی عطا کرتا ہے، اور بندہ مؤمن ایمان لانے اور کلمہ طیبہ پڑھ لینے کے بعد اس کا اقرار کرتا ہے، اس لئے وہ اپنی ہر صلاحیت واختیار کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی استعمال کرتا ہے چنانچہ اللہ نے حاکم کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (سورۃ الحج:۴۱)

"انہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے

---

[1] السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص۷۷

اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس بنا پر حاکم کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو بھی امانتِ شرعیہ کی طرف متوجہ کرے، ان کو نماز روزہ کی تلقین کرے اور ان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو جاری وساری کرے۔ اور یہ فرض صرف بڑے حاکم کا ہی نہیں، بلکہ ہر فرد، ہر گھر اور ادارے کے سربراہ، ہر ماں کا فرض اور ہر خادم کی ذمہ داری ہے۔ حاکم کا جب فرض متعین ہو گیا تو جو حاکم اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے بجائے لوگوں کے مفاد اور خواہشات کو پورا کرنے لگ جائے تو گویا کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ حاکم کی بجائے، شیطانی خواہشات کا مؤید بن گیا۔ جس فرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اقتدار دیا تھا، اس نے اس کی بجائے اس کو دوسرے مقصد پر صرف کر دیا اور یہ بدترین خیانت ہے۔ چنانچہ ایسا حاکم اللہ کی بجائے شیطان کا ساتھی ہے اور اس کا انجام بھی شیطان کے ساتھ ہی ہے، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَوَلِيُّ الْأَمْرِ إذَا تَرَكَ إنْكَارَ الْمُنْكَرَاتِ وإقامة الحدود عليها بِمَالٍ يَأْخُذُهُ: كَانَ بِمَنْزِلَةِ مُقَدَّمِ الْحَرَامِيَّةِ، الَّذِي يُقَاسِمُ الْمُحَارِبِينَ عَلَى الْأَخِيذَةِ، وبِمَنْزِلَةِ الْقَوَّادِ الَّذِي يَأْخُذُ مَا يَأْخُذُهُ؛ لِيَجْمَعَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَلَى فَاحِشَةٍ، وَكَانَ حَالُهُ شَبِيهًا بِحَالِ عَجُوزِ السُّوءِ امْرَأَةِ لُوطٍ، الَّتِي كَانَتْ تَدُلُّ الْفُجَّارَ عَلَى ضَيْفِهِ، الَّتِي قَالَ اللهُ تَعَالَى فِيهَا: ﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ [الأعراف: 83] . وَقَالَ تَعَالَى: ﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ﴾ [هود: 81]. فَعَذَّبَ اللهُ عَجُوزَ السُّوءِ الْقَوَّادَةَ بِمِثْلِ مَا عَذَّبَ قَوْمَ السُّوءِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ الْخَبَائِثَ، وَهَذَا لِأَنَّ هَذَا جَمِيعَهُ أَخْذُ مَالٍ لِلْإِعَانَةِ على الإثم والعدوان، وولي الأمر إنما نُصِبَ لِيَأْمُرَ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ، وَهَذَا هُوَ مَقْصُودُ الْوِلَايَةِ. فَإِذَا كَانَ الْوَالِي يُمَكِّنُ مِنَ الْمُنْكَرِ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ، كَانَ قَدْ أَتَى بضد المقصود، مثل مَنْ نَصَّبْتَهُ لِيُعِينَكَ عَلَى عَدُوِّكَ، فَأَعَانَ عَدُوَّكَ عَلَيْكَ. وَبِمَنْزِلَةِ مَنْ أَخَذَ مَالًا لِيُجَاهِدَ بِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقَاتَلَ بِهِ الْمُسْلِمِينَ. يُوَضِّحُ ذَلِكَ أَنَّ صَلَاحَ الْعِبَادِ بِالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ؛ فَإِنَّ صَلَاحَ الْمَعَاشِ وَالْعِبَادِ فِي طَاعَةِ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إلَّا بِالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ، وَبِهِ صَارَتْ هَذِهِ الْأُمَّةُ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1]

[1] السياسة الشرعية لابن تيمية: ص۵۸

"جو ولی الامر (حاکم) منکرات و جرائم کو نہیں روکے گا اور حدود کا اجرا نہیں کرے گا اور مال لے کر چھوڑ دے گا، وہ چوروں کے سردار اور فحاشی کرنے والوں کے دلال جیسا ہے جو دو زانیوں کو باہم ملا دیتا ہے، دونوں کا ناجائز حصہ دار بن کر مال لیتا ہے۔ اس کا حال وہی ہو گا جو لوط علیہ السلام کی بے حیا بیوی کا ہوا جو فاسق و فاجر لوگوں کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دیتی تھی، سو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پس ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی، مگر اس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔" اور دوسرے مقام پر فرمایا: "تو تم اپنے اہل و عیال کو لے کر راتوں رات نکل چلو اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے جو عذاب اوروں پر نازل ہو گا، وہ اس کو بھی پہنچے گا۔" دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی، اسی عذاب میں مبتلا کیا جو اس بدترین قوم اور خبیث و جرائم پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لئے کہ تمام کا تمام مال لینا دراصل اثم و عدوان کی اعانت و امداد ہے۔ اور حاکم اس لئے بنایا جاتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے۔ یہی حکومت اور مناصب کا اصل اسلامی مقصد ہے۔ اگر حاکم مال لے کر اور رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دے گا، تو گویا وہ اصل مقصدِ حکومت کے خلاف اور اس کی ضد پر قائم ہو گیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا اور وہ تمہارے ہی خلاف تمہارے دشمن کی اعانت و امداد شروع کر دے۔ اور یہ بمنزلہ اس مال کے ہے کہ تم نے کسی جہاد میں خرچ کرنے کے لئے مال دیا اور وہ اسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں ہی خرچ کر رہا ہے۔

جان لیجئے کہ بندوں کی اصلاح، فلاح و بہبود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بندوں کی معاش و معاشرت اور ان کی فلاح و بہبود اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے۔ اور یہ اسی وقت پوری ہوتی ہے، جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کیا جائے۔ اس نیک کام کی بنا پر امت محمدیہ خیر الامم اور امت وسط (بہترین) قرار دی گئی۔"

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس میں ایسے مسلم حکام کی تردید کی اور اُنہیں ان کے انجام سے خبردار کیا ہے جو اپنے مفادات کے لئے لوگوں پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور حاکم کے مفادات میں مال کے ساتھ، اس کی حمایت و نصرت (آج کی زبان میں ووٹ) اور اس کی تائید شامل ہے کہ جب کوئی حاکم ان سستے دنیوی مفادات کے لئے اپنے اصل فریضہ 'اللہ کے قانون کے نفاذ' سے دست بردار ہو جائے تو وہ گویا شیطان کا معاون اور مسلمان رعایا پر ظالم بن گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان حکام کو حکومت اسی لئے دی ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو اللہ کے بندوں پر نافذ کریں تو پھر اپنے اس فرض سے انحراف کرنا گویا لوگوں کے حق اطاعت کا استحصال ہے کہ مسلمان اپنے حاکم کی اطاعت اسی لئے ہی کرتے ہیں کہ وہ انہیں اللہ کے راستے پر چلنے میں مدد

دے گا، اور ان پر اللہ کے دین کو قائم کرے گا۔ جب حاکم یہ فریضہ ترک کرکے، الٹا شیطان کا معاون بن گیا تو دنیا میں بھی خائب وخاسر اور آخرت میں بھی شرمسار اور جواب دہ ہوگا۔

تیسری قسم: امانتِ مالیہ

⑪ امانت کو عام طور پر اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس خیانت کی مذمت اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الانفال: ۲۷، ۲۸)

”اے ایمان والو! دیدہ دانستہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں اجر دینے کو بہت کچھ ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبد الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

”امانتوں میں خیانت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ امانتوں سے مراد وہ تمام عہد معاہدے اور وہ ذمہ داریاں ہیں جو کسی انسان پر عائد کی گئی ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے انسان کا عہد، عہدِ میثاق بھی ہے جس کو پورا کرنے پر انسان اللہ کا نافرمان رہ ہی نہیں سکتا اور وہ عہد بھی جو انسان ذاتی طور پر اللہ سے باندھتا ہے جیسے نذریں اور منتیں وغیرہ۔ اللہ کے رسول ﷺ سے خیانت یہ ہے کہ جن باتوں پر کسی مسلمان نے آپ سے بیعت کی ہے، ان میں فرار کی راہیں سوچنے لگے اور لوگوں سے معاہدے دین کے بھی ہوسکتے ہیں۔ صلح وجنگ کے سمجھوتے بھی، نکاح کے بھی، پھر انسان پر اس کے منصب کے لحاظ سے طرح طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ غرض اس آیت کے مضمون میں انسان کی پوری زندگی آجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کے ہر واقعہ کے وقت متنبہ کیا جارہا ہے کہ وہ کسی حال میں خیانت نہ کرے۔“

مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

”مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں یا آپس میں بندوں کے حقوق میں خیانت نہ کریں کہ حق ادا ہی نہ کریں یا اس میں کوئی اور کوتاہی کرکے ادا کریں۔ آخر آیت میں وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فرما کر یہ بتلا دیا کہ تم تو خیانت کی برائی اور اس کے وبال کو جانتے ہی ہو پھر اس پر اقدام کرنا قرین دانش مندی نہیں اور چونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے غفلت وکوتاہی کا سبب عموماً انسان کے

اموال واولاد ہوا کرتے ہیں، اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے اگلی آیت نازل ہوئی۔"

⑫ حصولِ اقتدار عموماً اختیار واقتدار اور چودھراہٹ کے لئے کیا جاتا ہے، اور اس کا دوسرا مقصد اموال کا جمع کرنا اور عزیز واقارب کے لئے منافع کا حصول ہے۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَالْوَاجِبُ اتِّخَاذُ الْإِمَارَةِ دِينًا وَقُرْبَةً يُتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى اللهِ؛ فَإِنَّ التَّقَرُّبَ إِلَيْهِ فِيهَا بِطَاعَتِهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ مِنْ أَفْضَلِ الْقُرُبَاتِ. وَإِنَّمَا يَفْسُدُ فِيهَا حَالُ أَكْثَرِ النَّاسِ لِابْتِغَاءِ الرِّيَاسَةِ أَوْ الْمَالِ بِهَا.[1]

"ضروری ہے کہ دین داری اور اللہ کے تقرب ورضا کیلئے ہی اقتدار کو قبول کیا جائے۔ اور اقتدار میں اللہ کا تقرب اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول کی اطاعت کے ذریعے کرنا، تقرب کی بہترین شکل ہے لیکن اکثر لوگوں کا حال خراب ہے کہ اقتدار کو چودھراہٹ یا حصول مال کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ اقتدار اصلاً بری چیز نہیں، نہ ہی حکام کے پاس بیٹھنا، لیکن

وَلَمَّا غَلَبَ عَلَى كَثِيرٍ مِنْ وُلَاةِ الْأُمُورِ إرادة المال والشرف وصاروا بمعزل عن حقيقة الإيمان في ولايتهم رأى كثير من الناس أن الإمارة تنافي الْإِيمَانِ وَكَمَالِ الدِّينِ.[2]

"جب اکثر حکام پر مال اور ناموری کی خواہش غالب آگئی اور اپنی حکومت میں انہوں نے حقیقت ایمان کو نظر انداز کر دیا تو لوگوں نے بھی یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اقتدار ایمان اور کمال دین کے منافی ہے۔"

⑬ جبکہ ان مقاصد کے لئے عہدے اور حصولِ اقتدار سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ اقتدار کے یہ دو ناجائز مقاصد فرعون و قارون کے تھے اور ان کا دنیا و آخرت میں بدانجام سب کے سامنے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان دو مقاصد اقتدار کو بدترین ہلاکتیں قرار دیا ہے:

«مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ»[3]

"دو بھوکے بھیڑیے اگر بھیڑوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اس کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ دو چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں: کثرتِ مال اور نام و نمود کی خواہش۔"

---

١ السياسة الشرعية لابن تيمية :١٣٠

٢ السياسة الشرعية لابن تيمية :١٣٢

٣ جامع الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، بَابُ حَدِيثِ مَا ذِئْبَانِ: رقم ٢٣٧٦

اقتدار واختیار اور مال ودولت روزِ قیامت کسی کام نہیں آئیں گے، جیسا کہ قرآن نے جہنمیوں کا نقشہ کھینچا ہے: ﴿مَآ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَہۡ ﴿۲۹﴾﴾ (الحاقۃ:۲۹،۲۸)

"میرے مال نے مجھے کچھ نفع نہ دیا اور میری حکومت بھی مجھ سے جاتی رہی۔"

اور ان دو ناجائز مقاصد کے لئے سیاست کرنے والا کس کا جانشین ہے؟ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَغَايَةُ مُرِيدِ الرِّيَاسَةِ أَنْ يَكُونَ كَفِرْعَوْنَ، وَجَامِعِ الْمَالِ أَنْ يَكُونَ كَقَارُونَ، وَقَدْ بَيَّنَ اللهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ حَالَ فِرْعَوْنَ وَقَارُونَ.[1]

"چودھراہٹ کا متلاشی فرعون جیسا اور مال کا حریص قارون جیسا ہے اور دونوں کا انجام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔" (جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا)

شاہ اسماعیل شہید نے حکومت کی دوسری قسم 'سلطنتِ جابرہ' قرار دی اور اس کا نقشہ یوں کھینچا:

"سلطانِ جابر سے وہ شخص مراد ہے جس پر نفس امارہ اس قدر حکمران ہو کہ نہ تو اسے خوفِ خدا مانع ہو سکتا ہے اور نہ مخلوق کی شرم۔ نفس امارہ جو بھی اس سے کہے، بلا تکلف بجالاتا ہے بلکہ سلطنت کا ثمرہ لذاتِ نفسانیہ کو پورا کرنا ہی سمجھتا ہے... کسی کو تکبر وجبر مرغوب ہے، کسی کو ناز و تبختر، کسی کو تعدی وجور، کسی کو فسق وفجور، کسی کو منشیات ومُسکرات، کسی کو لذیذ کھانے، کسی کو نفیس لباس، کسی کو لہو ولعب اور کسی کو نشاط وطرب... نفس امارہ کی ہوا وہوس کے ہزاروں مقدمات ہیں، سو اس کے چند اصول اور بے شمار فروع ہیں۔ جن میں سے

(۱) ایک حبِ مال ہے: مال جمع کرنا ان کا بہترین مشغلہ اور بہترین لذت ہوتی ہے، خزائن ودفائن کی زیادتی کے ہر رستے کو تلاش کرتے ہیں۔ اہل زراعت وتجارت اور اغنیا وفقرا سے ایک ایک دانہ گن کے لیتے ہیں، ہر حیلے بہانے سے مال کو جمع کریں۔ خود بھی اور ان کے ہم نشین جمع مال میں ساری صلاحیتیں صرف کرتے ہیں، وہی مشیر باتدبیر اور امیر کبیر ہے جس نے جمع مال کی کوئی اچھی اور نئی تدبیر نکالی۔

(۲) ان کا دوسرا اُصول غلبہ وتکبّر ہے: بعض لوگ فطرتاً ادعا پسند، خود پسند، خود ستائی، سرکش ہوتے ہیں۔ اپنے کو بلند، دوسروں کو حقیر جانتے ہیں۔ اپنے ادنیٰ ہنر کو دوسروں کے کمال کے مقابلہ میں بلند رتبہ سمجھتے ہیں۔ دوسرں کی ذلت کو اپنی عزت اور مسلمانوں کی عار کو اپنی عظمت خیال کرتے ہیں۔ ان

---

۱ السياسة الشرعية لابن تيمية :۱۳۲

کی حکومت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ کوئی ان سے مشارکت نہ کر سکے، مشابہت کی راہ نہ پاسکے۔ ایسا شخص منصبِ سلطنت پر پہنچ کر تکبر سے رفتار و گفتار، نشست و برخاست، القاب و آداب اور تمام عادات و معاملات میں اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے۔ مساوات کی راہ مسدود اور ہر اہم چیز کو اپنے لئے خاص کر دیتا ہے۔ ایسا حاکم چاہتا ہے کہ اس کے آئین و قوانین، اصول دین اور احکام شرع متین کے مقابلہ میں عوام میں زیادہ مقبول ہوں۔ اس کا توجی چاہتا ہے کہ اس کو بندگانِ الٰہی اور اتبیان رسول سے بھی نہ ہی شمار کیا جائے۔

(۳) ان کا تیسرا اُصول عیاشی ہے: سلطانِ جابر کی ساری توجہ قوتِ شہوانی سے مغلوب اور ساری ہمتیں لذاتِ نفسانیہ کی تکمیل اور جسمانی راحت کے حصول میں مشغول رہتی ہیں۔ رات دن طعام مرغوب، لباس خوش اسلوب، و شربِ خمور میں مست رہتے ہیں۔ شطرنج بازی و مزمار نوازی اور محافل رقص و سرود کے برپا کرنے، اغلام و جماع میں منہمک رہنے والے، عمارتیں اور باغات بنانے میں لگے رہنے والے، فسق و فجور کی داد دینے والے۔ ان کے وزیر با تدبیر لہو ولعب اور نشاط و طرب کے نت نئے طریقے ڈھونڈتے اور اس کو کمال فن تک پہنچاتے ہیں۔ جہاں حکام یہ کام کریں تو رعایا میں ظلم و جور پھیل جاتا اور سلاطین کی یہ خرابیاں فسق و فجور، ظلم و تعدی اور فسادِ ملک کا سبب بن جاتی ہیں۔''[1]

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی زندگی کی ترجیحات اور اپنی اپنی امانت کی تکمیل میں اپنے تعلقات: رشتے ناطے، دوستی و دشمنی، محبت و غیریت (الحبّ في الله) اور عزت و نسبت میں اسی بات کو پیش نظر رکھے کہ چودھراہٹ اور جمع مال کی بجائے رضائے الٰہی، اور اعلائے کلمۃ اللہ کی بنا پر اپنے فیصلے کرے جیسا کہ اس پر بہت سی احادیثِ نبویہ موجود ہیں۔ اس اور اس کے بچوں کی تعلیم اور پیشے، عادات و علامات بھی دنیوی غلبہ اور حصولِ مال کی بجائے رضائے الٰہی اور اعلائے دین کے لئے ہوں۔ مسلمانوں کی اجتماعی ترقی کا رخ بھی علو و فساد میں کثرت کی بجائے دینی ترقی کا مظہر ہو کیونکہ حکام کی طرح ہر انسان بھی اپنے گھر بار اور اپنے آپ کا مسئول و امین ہے۔ جب عام مسلمان اپنی اس ذمہ داری کو سمجھیں گے اور اسی کے مطابق عمل کریں گے، تو ان کے حکام بھی اسی طرزِ فکر و عمل کے حامل ہی ہوں گے۔ یہی مسلم معاشرے کی اصلاح کا شرعی منہاج ہے۔

⑭ مالی امانت ادا کرنے کی جزا: نبی مکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی سیدنا ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے:

«الْخَازِنُ الْأَمِينُ الَّذِي يُؤَدِّي مَا أُمِرَ بِهِ طَيِّبَةً نَفْسُهُ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ»[2]

---

1 'منصب امامت' از شاہ اسمٰعیل شہید: ص ۱۵۱ تا ۱۶۴ ... حکام کی خرابیوں کی تفصیلات کے ساتھ ان کے شرعی حل بھی مذکور ہیں۔

2 صحيح البخاري: كِتَابُ الإِجَارَةِ (بَابُ اسْتِئْجَارُ الرَّجُلِ الصَّالِحِ)، رقم ۲۲۶۰

"امانت دار خزانچی جو اس کو حکم دیا جائے، اس کے مطابق دل کی فراخی کے ساتھ (صدقہ ادا کر دے) وہ بھی ایک صدقہ کرنے والوں ہی میں سے ہے۔"

⑮ خیانت کی سزا: جو شخص بھی قومی مال میں سے ایک پائی بھی اپنے اوپر صرف کرتا ہے، اس کے لئے نبی کریم ﷺ کی یہ وعید کافی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا - أَوْ عَبَاءَةٍ -» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ»، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ.[1]

"خیبر (کی جنگ) کا دن تھا، نبی ﷺ کے کچھ صحابہ آئے اور کہنے لگے: فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے: وہ شہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہرگز نہیں، میں نے اسے ایک دھاری دار چادر یا عبا (چوری کرنے) کی بنا پر آگ میں دیکھا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے! جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں مومنوں کے سوا کوئی داخل نہ ہو گا۔" انہوں نے کہا: میں باہر نکلا اور (لوگوں میں) اعلان کیا: متنبہ رہو! جنت میں مومنوں کے سوا اور کوئی داخل نہ ہو گا۔"

اس حدیث میں مالِ غنیمت میں سے مال چوری کرنے والے کو جہنمی بتانے کے بعد نبی کریم نے مؤمن کی بات کی ہے گویا ایسے شخص کا ایمان ہی خطرے میں ہے جو قومی مال میں خیانت کا مرتکب ہے۔ مدینہ یونیورسٹی کے استاذ شیخ عبد الرزاق محسن البدر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

والإيمان إذا كان كاملاً قد أدّى به صاحبه الواجبات، وترك المحرمات فإنه يمنع دخول النار، ويدخل صاحبُه الجنة بدون حساب أو عقاب، وإذا كان ناقصاً بترك واجب، أو فعل محرم فإنه يمنع صاحبه من الخلود في النار

"جب ایمان کامل ہو تو مؤمن کو واجبات کی ادائیگی اور محرمات کو چھوڑ دینے کی طرف لے جاتا ہے اور اس طرح آگ میں داخلہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور مؤمن بلا حساب وعقاب جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جب ایمان کسی واجب کو ترک کرنے کی بنا یا حرام کے ارتکاب کی بنا پر ناقص ہو تو

[1] صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانِ (بَابُ غِلَظِ تَحْرِيمِ الْغُلُولِ...)، رقم ۳۰۹

مؤمن کو جہنم میں ہمیشہ رہنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔"

⑯ امانت میں خیانت ایسا بڑا جرم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ القِيَامَةِ، قَالَ أَحَدُهُمَا: يُنْصَبُ، وَقَالَ الآخَرُ: يُرَى يَوْمَ القِيَامَةِ، يُعْرَفُ بِهِ»[1]

"قیامت کے دن ہر خائن (عہد شکن) کے لیے ایک جھنڈا ہو گا، ان میں سے ایک صاحب نے بیان کیا کہ وہ جھنڈا (اس کے پیچھے مقعد میں) گاڑ دیا جائے گا اور دوسرے صاحب نے بیان کیا کہ اسے قیامت کے دن سب دیکھیں گے، اس کے ذریعہ اسے پہچانا جائے گا۔"

⑰ حکام کی مالی خیانت کی صورتیں: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وليس لولاة الأمور أَنْ يُقَسِّمُوهَا بِحَسَبِ أَهْوَائِهِمْ، كَمَا يُقَسِّمُ الْمَالِكُ مِلْكَهُ، فَإِنَّمَا هُمْ أُمَنَاءُ وَنُوَّابٌ وَوُكَلَاءُ، لَيْسُوا مُلَّاكًا؛ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ، إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ»[2]. فَهَذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَدْ أَخْبَرَ أَنَّهُ لَيْسَ الْمَنْعُ وَالْعَطَاءُ بِإِرَادَتِهِ وَاخْتِيَارِهِ، كَمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الْمَالِكُ الَّذِي أُبِيحَ لَهُ التَّصَرُّفُ فِي مَالِهِ، وَكَمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الْمُلُوكُ الذين يعطون من أحبوا ويمنعون من أبغضوا، وَإِنَّمَا هُوَ عَبْدُ اللهِ، يَقْسِمُ الْمَالَ بِأَمْرِهِ، فَيَضَعُهُ حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ تَعَالَى.

"حکام کو جائز نہیں کہ مال کو اپنی خواہش کے مطابق لوگوں میں بانٹتے پھریں، جیسے کوئی مالک اپنا ذاتی مال بانٹتا ہے۔ کیونکہ حکام تو امین، نائب اور وکیل ہی ہیں، نہ کہ مالک جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بخدا میں کسی کو دے نہیں سکتا اور کسی سے روک نہیں سکتا، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، جہاں مجھے حکم دیا گیا ہے۔ یہ رب العالمین کے رسول کی خبر ہے کہ روکنا اور دینا ان کے ارادے اور اختیار میں نہیں، جیسا کہ مالک کو اپنے مال میں تصرف کی پوری اجازت ہے اور جیسا کہ بادشاہ اپنے من پسند لوگوں کو دیتے اور ناپسند لوگوں سے روکتے ہیں۔ آپ ﷺ تو اللہ کے بندے ہیں، مال کو اسی کے حکم سے تقسیم کرتے اور وہاں دیتے ہیں جہاں اللہ نے حکم دے دیا ہے۔"[3]

یہی رویہ نبی کریم ﷺ کے خلفاے راشدین کا تھا، چنانچہ سیدنا عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے کہ

---

۱ صحيح البخاري: كِتَابُ الجِزْيَةِ (بَابُ إِثْمِ الغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالفَاجِرِ)، رقم ۳۱۸۶

۲ صحيح البخاري: كِتَابُ فَرْضِ الخُمُسِ (بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: فَأَنَّ لِلهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ)، رقم ۳۱۱۷

۳ السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ۹۵

قَالَ رَجُلٌ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، لَوْ وَسَّعْت عَلَى نَفْسِك فِي النَّفَقَةِ مِنْ مَالِ اللهِ تَعَالَى، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَتَدْرِي مَا مَثَلِي وَمَثَلِ هَؤُلَاءِ؟ كَمِثْلِ قَوْمٍ كَانُوا فِي سَفَرٍ، فَجَمَعُوا مِنْهُمْ مَالًا، وَسَلَّمُوهُ إلَى وَاحِدٍ يُنْفِقُهُ عَلَيْهِمْ، فَهَلْ يَحِلُّ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَنْ يَسْتَأْثِرَ عَنْهُمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ؟ وَحُمِلَ مَرَّةً إلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَالٌ عَظِيمٌ مِنْ الْخُمُسِ: فَقَالَ: إنَّ قَوْمًا أَدَّوْا الْأَمَانَةَ فِي هَذَا لَأُمَنَاءَ. فَقَالَ لَهُ بَعْضُ الْحَاضِرِينَ: إنَّك أَدَّيْت الْأَمَانَةَ إلَى اللهِ تَعَالَى، فَأَدُّوا إلَيْك الْأَمَانَةَ، ولو رتعت لرتعوا۔[1]

"ایک شخص نے انہیں کہا: یا امیر المؤمنین! اللہ کے مال سے اپنے اوپر تھوڑا سے خرچ کر لیا کریں تو عمر بولے: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میری اور ان مسلمانوں کی کیا مثال ہے، جیسے کچھ لوگ سفر میں ہوں اور اپنا مال جمع کر کے ایک شخص کے پاس اس لئے رکھوا دیں کہ ان پر خرچ کرے تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ ان کے مال سے لے لے۔ ایسے ہی ایک بار سیدنا عمر بن خطاب کے پاس خمس کا بہت زیادہ مال آیا تو آپ بولے: لوگوں نے اپنے امین (حکام) کو اپنی امانت دے دی ہے۔ تو حاضرین میں سے ایک بولا: آپ نے اللہ کی امانت ادا کی، تو انہوں نے آپ کی امانت ادا کی، اگر آپ کھا جاتے تو یہ بھی کھا لیتے۔"

⑱ اب جو حکام مسلمانوں کا مال ناجائز جمع کر کے مال مفت بنا لیں، ان کا حکم

فَأَمَّا إذَا كَانَ وَلِيُّ الْأَمْرِ يَسْتَخْرِجُ مِنْ الْعُمَّالِ مَا يُرِيدُ أَنْ يَخْتَصَّ بِهِ هُوَ وَذَوُوه، فَلَا يَنْبَغِي إعَانَةُ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، إذْ كُلٌّ مِنْهُمَا ظَالِمٌ، كَلِصٍّ سَرَقَ مِنْ لِصٍّ، وَكَالطَّائِفَتَيْنِ الْمُقْتَتِلَتَيْنِ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَرِئَاسَةٍ؛ وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَكُونَ عَوْنًا عَلَى ظُلْمٍ... إذَا كَانَتْ الْأَمْوَالُ قَدْ أُخِذَتْ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَقَدْ تَعَذَّرَ رَدُّهَا إلَى أَصْحَابِهَا، كَكَثِيرٍ مِنْ الْأَمْوَالِ السُّلْطَانِيَّةِ؛ فَالْإِعَانَةُ عَلَى صَرْفِ هَذِهِ الْأَمْوَالِ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدَادِ الثُّغُورِ، وَنَفَقَةِ الْمُقَاتِلَةِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ: مِنْ الْإِعَانَةِ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى؛ إذِ الْوَاجِبُ عَلَى السُّلْطَانِ فِي هَذِهِ الْأَمْوَالِ -إذَا لَمْ يُمْكِنْ معرفة أصحابها وردها عَلَيْهِمْ، وَلَا عَلَى وَرَثَتِهِمْ -أَنْ يَصْرِفَهَا- مَعَ التَّوْبَةِ إنْ كَانَ هُوَ الظَّالِمَ- إلَى مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ. هَذَا هُوَ قَوْلُ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ، كَمَالِكٍ، وَأَبِي حَنِيفَةَ، وَأَحْمَدَ، وَهُوَ مَنْقُولٌ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ، وَعَلَى ذَلِكَ دَلَّتْ الْأَدِلَّةُ الشَّرْعِيَّةُ.[2]

---

[1] السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين:۹۷

[2] السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين:۱۲۶

اگر حاکم اپنے عاملوں سے اپنے اور اپنے حواریوں کے لئے مال جمع کرتا ہے تو ان دونوں کی مدد کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی ایسے ظالم ہیں جیسے چور دوسرے چور سے چوری کرے یا دو جماعتیں عصبیت و چودھراہٹ کے لئے لڑیں۔ اور کسی مسلمان کو ظلم کا مددگار نہیں بننا چاہیے... اور اگر ناحق اموال جمع ہوجائیں اور ان کو اصل مالکوں تک لوٹانا ناممکن ہو جیسا کہ اکثر سرکاری مال ایسے ہی ہیں تو ایسے مالوں کو مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کر دینا بہتر ہے، جیسے قلعے بنانا، مجاہدین کے اخراجات دینا وغیرہ ایسے کام جو نیکی و تقویٰ کی قبیل سے ہوں۔ کیونکہ حاکم پر ایسے اموال میں، جن کے مالکوں کی معرفت اور ان کو یا ان کے ورثا کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو وہ توبہ کرتے ہوئے ان کو مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کرے۔ یہی جمہور فقہا: مالک، ابوحنیفہ اور احمد رحمہم اللہ کا قول ہے، اور اکثر صحابہ سے یہی منقول ہے۔ شرعی دلائل اسی کی تائید کرتے ہیں۔''

جو حکام دنیا پرستوں میں مسلمانوں کا مال بانٹ دیتے ہیں، ان کی مذمت میں ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

وَلَا يَجُوزُ لِلْإِمَامِ أَنْ يُعْطِيَ أَحَدًا مَا لَا يَسْتَحِقُّهُ لِهَوَى نَفْسِهِ: مِنْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا، أَوْ مَوَدَّةٍ، وَنَحْوِ ذَلِكَ؛ فَضْلًا عَنْ أَنْ يُعْطِيَهُ لِأَجْلِ مَنْفَعَةٍ مُحَرَّمَةٍ مِنْهُ، كَعَطِيَّةِ الْمُخَنَّثِينَ مِنْ الصبيان الـمُرْدَانِ: الأحرار والمماليك ونحوهم، والبغايا والمغني، وَالْمَسَاخِرِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ، أَوْ إعْطَاءِ الْعَرَّافِينَ مِنْ الْكُهَّانِ وَالْمُنَجِّمِينَ وَنَحْوِهِمْ... وَهَذَا النَّوْعُ مِنْ الْعَطَاءِ، وَإِنْ كَانَ ظَاهِرُهُ إعْطَاءَ الرُّؤَسَاءِ وَتَرْكَ الضُّعَفَاءِ، كَمَا يَفْعَلُ الْمُلُوكُ؛ فَالْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ؛ فَإِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ مَصْلَحَةَ الدِّينِ وَأَهْلِهِ، كان من جنس عطاء النبي ﷺ وخلفائه، وإن كان المقصود العلو في الأرض والفساد، كَانَ مِنْ جِنْسِ عَطَاءِ فِرْعَوْنَ.[1]

''حاکم کے لئے جائز نہیں کہ اپنی خواہش نفس سے مال بانٹتا پھرے، محض اپنی قرابت داری یا پسند وغیرہ کی بنا پر۔ چہ جائیکہ وہ یہ مال ناجائز مقاصد کے لئے عطا کرے، جیسے خواجہ سراؤں، نوخیز بچوں، آزاد و غلام وغیرہ، فاحشات اور گلوکاروں، مسخروں وغیرہ کو یا کاہنوں، فال نکالنے والے نجومیوں وغیرہ کو یہ مال دے۔... تاہم تالیف قلب کے لئے مال دینا ضروری ہے، بظاہر یہ عطا رؤسا کو ہے، ضعفا کو چھوڑ کر جیسا کہ بادشاہ کرتے ہیں، لیکن اس کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر حاکم کا مقصد دین اور اہل دین

1 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ۱۵۸،۱۶۴

کی مصلحت ہے تو یہ نبی کریم اور آپ کے خلفا کے عطیات کے مثل ہے اور اگر اس کا مقصد زمین میں برتری اور فساد ہے تو یہ فرعون کے عطیات جیسا ہے۔"

جو لوگ سرکاری مال کھاتے اور اس پر نظر رکھتے ہیں، ان کی مذمت میں ابن تیمیہ کہتے ہیں:

فَرِيقٌ غَلَبَ عَلَيْهِمْ حُبُّ الْعُلُوِّ فِي الْأَرْضِ وَالْفَسَادِ، فَلَمْ يَنْظُرُوا فِي عَاقِبَةِ الْمَعَادِ، وَرَأَوْا أَنَّ السُّلْطَانَ لَا يَقُومُ إِلَّا بِعَطَاءٍ، وَقَدْ لَا يَتَأَتَّى الْعَطَاءُ إِلَّا بِاسْتِخْرَاجِ أَمْوَالٍ مِنْ غَيْرِ حلها؛ فصاروا نهّابين وَهَّابِينَ، وَهَؤُلَاءِ يَقُولُونَ: لَا يُمْكِنُ أَنْ يَتَوَلَّى على الناس إلا من يأكل ويُطعِم، فإنه إذا تولى العفيف الَّذِي لَا يَأْكُلُ وَلَا يُطْعِمُ سَخِطَ عَلَيْهِ الرؤساء وَعَزَلُوهُ؛ إِنْ لَمْ يَضُرُّوهُ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ. وَهَؤُلَاءِ نَظَرُوا فِي عَاجِلِ دُنْيَاهُمْ، وَأَهْمَلُوا الْآجِلَ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَآخِرَتِهِمْ، فَعَاقِبَتُهُمْ عَاقِبَةٌ رَدِيئَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِنْ لَمْ يَحْصُلْ لَهُمْ مَا يُصْلِحُ عَاقِبَتَهُمْ مِنْ تَوْبَةٍ وَنَحْوِهَا.[1]

"ایک گروہ ایسا ہے جن پر دنیا میں برتری اور فساد غالب آچکا ہے اور آخرت کے انجام سے وہ غافل ہو چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اقتدار عطیات کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اکثر عطیات ناجائز ذرائع سے ہی جمع کیے جاتے ہیں۔ تو یہ حاکم لوٹ کھسوٹ کر عطا یا دینے والے بن گئے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جو کھاتا کھلاتا نہیں ہے، وہ حکومت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی پاک دامن جو نہ خود کھائے، نہ کھلائے حاکم بن جائے تو اس پر یہ رؤسا ناراض ہو جاتے ہیں اور اس کو جان و مال نہ لے پائیں تو اس کو معزول کر کے چھوڑتے ہیں۔ یہ وہ بد بخت ہیں جو فوری دنیا کے متلاشی، اور اپنی دنیا و آخرت کے وعدوں سے غافل ہیں۔ اگر انہوں نے توبہ کر کے اپنی عاقبت نہ سنواری تو ان کا دنیا و آخرت میں انجام بد ترین ہے۔"

⑲ امانت میں خیانت کی ایک شکل یہ بھی نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی کہ کسی حاکم کو اگر کوئی تحفہ دیا جائے تو وہ اسے اپنے لئے رکھ لے جبکہ وہ بیت المال کا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِنَ الأَزْدِ، يُقَالُ لَهُ ابْنُ الأُتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، قَالَ: «فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ، فَيَنْظُرَ يُهْدَى لَهُ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ» ثُمَّ رَفَعَ

---

[1] السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين:۱۷۴

بِيَدِهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ: «اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ» ثَلاثًا.[1]

"قبیلہ ازد کے ایک صحابی کو جنہیں ابن اتبیہ کہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا۔ پھر جب وہ واپس آئے تو کہا کہ یہ تم لوگوں کا ہے (یعنی بیت المال کا) اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے والد یا اپنی والدہ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا۔ دیکھتا وہاں بھی انہیں ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس میں سے اگر کوئی شخص کچھ بھی (ناجائز) لے لے گا تو قیامت کے دن اسے وہ اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ ہے تو وہ اپنی آواز نکالتا ہوا آئے گا، گائے ہے تو وہ اپنی اور اگر بکری ہے تو وہ اپنی آواز نکالتی ہو گی۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی بھی دیکھ لی (اور فرمایا) اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ تین مرتبہ (آپ ﷺ نے یہ فرمایا)۔"

امام نووی صحیح مسلم میں اس حدیث کی روایت کے بعد یوں تشریح کرتے ہیں:

في هذا الحديث بيان أن هدايا العمال حرام، ولهذا ذكر في الحديث عقوبته وحمْله ما أُهدي إليه يوم القيامة، وقد بيّن ﷺ في نفس الحديث السببَ في تحريم الهدية عليه، وأنها بسبب الولاية، بخلاف الهدية لغير العامل، فإنها مستحبة، وحكم ما يقبضه العامل ونحوه باسم الهدية أنه يرده إلى مُهْديه، فإن تعذر :فإلى بيت المال.[2]

"یہ حدیث بتاتی ہے کہ ملازموں کے تحائف ان کے لئے حرام ہیں، اسی لئے حدیث میں ان کی سزا اور روز قیامت ان کو اٹھا کر لانے کی وعید ذکر کی گئی ہے۔ پیش نظر حدیث میں ہی نبی کریم نے اس تحفہ کی حرمت کا سبب ذکر کیا ہے کہ جو تحفہ حاکم/عامل ہونے کی بنا پر ملے بر خلاف ان ہدایا کے جو عہدیدار کو نہیں ملتے تو وہ تحفے مرغوب ہیں۔ ایسے تحفہ کا حکم یہ ہے جو عہدیدار کو تحفہ کے نام پر ملیں کہ وہ دینے والے کو لوٹا دیے جائیں، اگر یہ کرنا ناممکن ہو تو پھر بیت المال میں جمع کرا دیے جائیں۔"

امریکی قانون یہ ہے کہ امریکی صدر کو ملنے والے جو تحفے ۳۹۰ ڈالر کی مالیت سے زائد ہوں، ان کو قومی

---

۱ صحيح البخاري: كِتَابُ الهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا (بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ)، رقم ۲۵۹۷

۲ شرح النووی علی مسلم: ۶/ ۴۶۲

خزانے میں جمع کرایا جائے یا حاکم ایسی زیادہ مالیت والے تحائف کو قیمت ادا کر کے خرید سکتا ہے۔[1]

(۲۰) امانت میں عائلی امانتیں بھی شامل ہیں کہ زوجین کو ایک دوسرے کا امین ہونا چاہیے اور اس میں مجلس کی امانت بھی شامل ہے۔ الغرض امانت یا امین سے مراد صرف لغوی امین نہیں، بلکہ امانت ایک شرعی اصطلاح ہے جس کو قرآن و سنت نے متعدد مفاہیم کے لئے استعمال کیا ہے۔ ان میں دین، اموال، علوم و معارف، مناصب و ذمہ داری، گواہیاں اور فیصلے، لکھنا اور روایت کرنا، رازوں اور پیغامات کی حفاظت کرنا، سمع و بصر اور تمام حواس کی امانت داری کا خیال رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔

خلاصہ: مذکورہ بالا سطور میں امانت کے ساتھ ساتھ مناصب کے لئے مطلوبہ دیگر اہم شرعی صفات کا قرآن واحادیث سے تذکرہ کرنے کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ (۱) امین و امانت شریعتِ اسلامیہ کا اہم حکم ہے جس میں 'اللہ کے تمام فرائض کو اس کے احکامات کے مطابق انجام' دینے کا مطالبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ امانت ہے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے اور دنیا میں آنے بلکہ عطائے عقل کی بنیاد بنی، اور اسی کی بنا پر روزِ محشر انسان کی جزا و سزا ہوگی۔ امانت کے شرعی تقاضے میں فرد اور معاشرہ کی ہر سطح مخاطب ہے کیونکہ اللہ نے سب کو ہی ذمہ دار بنایا ہے۔ (۲) فرمانِ نبویؐ ہے کہ "مناصب امانت اور ندامت ہیں۔" اور کسی منصب کے لئے حاکم پر اللہ کی کامل اطاعت از بس ضروری ہے اور عہدیدار کا کام ہے کہ قرابت داری اور اُمیدواری کی بجائے سراسر شرعی اہلیت کی بنا پر ہی ذمہ داریاں دے، اس کے پیش نظر دنیوی جاہ و جلال، ذاتی تقویت اور جمع مال ہرگز نہ ہو، وہ اپنے ماتحتوں میں اللہ کے دین کو قائم کرنے والا ہو، وگرنہ وہ بقول امام ابن تیمیہ: خائن اور چوروں کا سردار ہے اور اس کا ربّ اس سے ناراض ہے۔ فرمانِ نبویؐ کے مصداق "ایسا حاکم جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

(۳) امانت کی تیسری صورت مالی ہے۔ حبِ جاہ و مال فرعون و قارون کی صفات ہیں، ان کا بدتر انجام سب پر واضح ہے۔ حاکم کی مالی خیانت یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ذاتی جاگیر سمجھ کر لوگوں میں بانٹے، اعلائے کلمۃ اللہ کی بجائے اپنے اقتدار اور خواہشات کے لئے اس مال کو بے جا استعمال کرتا پھرے۔ لوگوں کے اموال کی بہانے بہانے سے لوٹ کھسوٹ اس کا مشغلہ ہو، تو اس کے اعوان و انصار کو ناجائز مال دینا گناہ میں اس کی مدد کرنا ہے اور ایسے مال کو اصل مالکوں تک لوٹانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق "خائن حاکم روزِ قیامت اپنی مقعد پر رسوائی کا جھنڈا" لے کر بدنامی کا شعار اور جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔

1 http://www.bbc.com/urdu/world-41295804 مؤرخہ: ۱۶ ستمبر ۲۰۱۷ء

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ 'امین و صادق کی شرط' پر روزنامہ پاکستان میں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"۶۲، ۶۳ دفعات کا اطلاق صرف ممبرانِ اسمبلی ہی کے لیے ضروری نہ ہو بلکہ تمام سرکاری اہل کاروں بالخصوص بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز افراد کے لیے بھی ضروری قرار دیا جائے۔ یہ نہایت اہم اور ضروری ہے۔ ہر محکمے میں جس طرح کرپشن عام ہے اور جس کے پاس جتنا بڑا عہدہ ہے، وہ اتنا ہی کرپٹ ہے۔ افسرانِ بالا کی کرپشن کی داستانیں آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ ان دفعات کے اطلاق کو وسیع کیا جائے اور سرکاری اہل کاروں بالخصوص افسران بالا کو اس شکنجے میں کسنے کا اہتمام کیا جائے: ؏ نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

آئین کی ۶۲، ۶۳ دفعات کے خاتمے کا رجحان نہایت خطرناک ہے، اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ اسلام کے جس حکم پر بھی ہم عمل کرنا نہ چاہیں یا ہمیں اس پر عمل کرنا مشکل نظر آئے تو ہم یہ مطالبہ کریں کہ اس کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!!

زیر بحث دفعات اسلامی احکام پر مبنی ہیں اور اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ انسانوں کے لیے ان پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ جس وقت ۶۳، ۶۲ دفعات کو دستور کا حصہ بنایا گیا، صورتِ حال یکسر تبدیل ہو چکی تھی، سیاست دان یا غیر سیاسی لوگ سب دولت کی ہوس کا شکار تھے اور کرپشن کی داستانیں عام تھیں، اس کے سدباب کے لئے مذکورہ دفعات نافذ کی گئیں جو فی الواقع اخلاص پر مبنی تھیں، نہ کہ بدنیتی پر۔ اب کرپشن کی صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہے، اس لئے یہ دفعات نہایت ضروری ہیں، تاکہ کرپٹ لوگ سیاست میں نہ آسکیں اور اگر آجائیں تو ان کا محاسبہ کیا جاسکے۔ اس لئے ان دفعات کی اہمیت، افادیت و ضرورت، بلکہ ناگزیریت مسلّم ہے۔" (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

افسوس ناک ــــ خبر

شیخ التفسیر حافظ محمد حسین روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر اور مدیر اعلیٰ 'محدث' مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ کی بڑی ہمشیرہ حافظہ امۃ اللہ حسین روپڑی ۲۵ ستمبر ۲۰۱۷ء کو ۸۷ برس کی عمر میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ اپنے خاندان کی مربیہ اور شرعِ متین کی عالمہ تھیں۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی اور چچا حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہم اللہ سے بڑے ذوق و شوق سے دینی علوم سیکھے۔ زندگی بھر عباداتِ نوافلہ کا خصوصی اہتمام کیا۔ جامعہ لاہور اسلامیہ میں آپ کے جنازے میں علمائے کرام کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔

قارئین کرام سے ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ ادارہ